

کاجل سے عطا آکھیں

فوزیہ غزل

رہا تھا وہ اس شخص کے آنے سے پہلے نہیں عجب ہو جائے۔

گز رہے اور آنے والے وقت کو سوچ کر دل چاہا "وہ تو پہلے ہی ہواؤں میں اڑتا رہتا تھا۔"

دوسروں کا مذاق اڑاتا انہیں نچا دکھاتا اور دل شکنی کرتا اس کا محبوب مشغلہ تھا اب تو نیو پارک اور

مندان کی پیڑھائیوں میں وقت گزار کر وہ بالکل آسان پر ہنسی چکا ہو گا۔ "میرا بے پروا انداز میں

اک نظر سب کے چہروں پر ڈالی تھی۔ سب لوگ خوشی کا سبب توقع اظہار کر رہے تھے اور کرتا بھی

چاہتے تھا۔ آئین اس گھر کا سب سے بڑا اور لاڈلا بیٹا تھا۔ اپنی ذہانت خوش گفتاری اور جاذبیت سے

سب کا دل موہ لیتا تھا اسے ہر شخص کے ساتھ اس کی دلچسپیوں کے مطابق گفتگو کرنے کا فن آتا تھا

"آئین بھائی پاکستان آرہے ہیں۔"

شمرہ نے انہیں اندر آتے دیکھ کر زوردار آواز میں بتایا تھا۔

"Really" سدرہ نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"بالکل، ان کا صبح فون آیا ہے کہ وہ پرسوں رات تین بجے کی فلائٹ سے پاکستان پہنچ رہے

ہیں" شمرہ کا لہجہ ٹھنک رہا تھا اور سدرہ کے ہمراہ کھڑی میرا کے اندر سناٹے اتر گئے۔

"آئین واپس آ رہا ہے کیوں اور کس لیے! کیا یہ ضروری تھا کہ پانچ سال بعد جب یہ شخص

واپس اس گھر میں آتا تو میں یہیں موجود ہونی اس کی ذات سے متعلقہ تکیوں کا زہر پینے کے لیے۔"

اس کو آنکھوں میں مرہیں سی جھینے لگیں

کمل عجل



اور اسی فن کے استعمال سے وہ ہر اک کو اپنے میں اتار لیتا تھا۔ ویسے ہی جیسے ایک دن اس گھر کے افراد کو اس کے خلاف شیشے میں اتار دیا تھا اور اس کا عکس دھندلا ہونے کے حوالے کر کے خود پر دیکھ کر جابجا تھا۔

”ہاں چا چل گیا۔“ وہ سپاٹ لکھ نہیں بولی۔

”تو تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔“ وہ اسے غور سے دیکھنے ہوئے بولیں۔

”خوشی میرے خیال میں ہمارے درمیان ایسا کوئی حوالہ نہیں جو باعث مسرت ہو جیسے یاد کر کے میں اس کے آنے کی خبر پر کوئی خوشگوار بقرہ کروں۔“

”پھر بھی میرا وہ تمہارا فرسٹ کزن ہے اور.....“

”Please اس کزن شپ کی نہ تو اس کی نظر میں کوئی اہمیت ہے نہ میری نظر میں جن لوگوں کے لیے اس سے رشتہ اور تعلق ہے وہ اس کے آنے کی خوشی میں بھگتے ڈالیں گیت گائیں ا don't care“ وہ خشک انداز میں کہہ کر اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔

”کس قدر پرسکون زندگی گزر رہی تھی یہ پچھلے پانچ سال اس نے کیسے کھٹ کانٹے کے بعد اپنے لیے جینے کے بہانے تلاشے تھے اور خود کو اک اوچے باوقار بااعتماد اور محترم مقام تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو سنجیدگی ذہانت اور برداشت کی بھی یہ پڑھا دیا تھا وہ لوگ جن کی نگاہوں میں بڑی محنت بڑے صبر اور بڑے حوصلے کے ساتھ اس نے اپنے لیے شفقت محبت اور نرمی کے چراغ جلائے تھے۔ وہ انہیں ماضی کی ذلالت اور تنہائی کے حوالے کرنے پڑا تھا اس کے سکون کے سمندر میں اضطراب کی گہری لہریں اٹھنے لگی تھیں اور ان لہروں کی ٹھل ٹھل کے سونے دو کر پھر سے جگانے لگی تھی

خود کو کئی الامکان لائق رکھتا ہے۔“ فیصلہ کر کے وہ ہلکی ہلکی ہوتی اور اس کے پاس آئینہ۔

”آئیے میرا آپلی میں چائے لیے آپ کے انتظار میں تھی۔“ بشرہ بولی۔

”میں بشرہ اس وقت میرا چائے کا موڈ نہیں ہو رہا۔“ وہ بے دلی سے بولی۔

”کیوں آپ تو اس وقت لازماً چائے پیتی ہیں۔“

”ہاں مگر آج کینٹین سے دو دفعہ پی تھی اسی لیے مزید پینے کا موڈ نہیں ہو رہا تم سناؤ کیا رہا تمہارا کاج ٹوپ۔“ وہ بات کا موضوع بدلتے بولی۔

”بہت زبردست مجھے معلوم نہ تھا کہ پاکستان کے پہاڑی علاقے اپنے دامن میں اتنا حسن سمیٹے ہوئے ہیں۔ مری تھیا گئی چونی میراں سوات کا لام اتنے حسین تھا کہ اسے ایسی خوبصورت وادیاں اور قدرت کی اتنی دلچسپ ضامیاں کہیں جی چاہتا تھا صاب چھوڑ چھاڑ ٹانگیں صوفے بس خوشبو بھری ان وادیوں کے حسن دحر میں بیٹھ رہیں۔ یہ آٹھ دن یوں پلک جھپکتے گزرے کہ پتا ہی نہ چلا۔“ بشرہ آنکھوں میں نراریام کی چمک دتا کی لیے مسخوری بولی۔

”اور دیکھ لو یہی خوبصورت وادیاں یہی دلچسپ مناظر اور یہی جیتے بڑے چہرے ہم آنسوؤں اور آہوں سے غمزہ دہی اور رنجیدہ کر رہے ہیں۔ کتنی خوبصورت تھی یہ دنیا کتنا حسن دیا تھا رب نے ہمیں مگر ہمارے اندر کتنا فتوں اور سازشوں نے اس کا سارا حسن دھندلا دیا۔“

”یہ تو ہے اور بڑا دکھ یہ ہے کہ ہم اسے بچا۔ نہ کو اب بھی کچھ نہیں کر رہے منتظر ہیں ہاتھ پر ہاتھ صبر سے کہ کوئی آسمان سے اترے اور ہمارے دکھ ہمارے گناہ سنبھالے جبکہ ہم اپنی ناپاک منصبوں کے ہاتھوں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے

کے بھی قابل نہیں رہے کچھ کہ کسی انعام و کرام کے۔“

”خدا خیر کرے بہت سنجیدہ اور عالمانہ قسم کا ماحول بنا ہوا ہے۔“

سدرہ اپنا چائے کا کپ اٹھائے ان کے برابر آئینہ۔

”بس یونہی حالات حاضرہ یہ بات ہوگی تھی تم کو موڈ ہے تو ایک چکر مار کٹ کا لگا لیں مجھے کچھ ضروری بکس لینی ہیں اور دو نئے فلیٹ شوڑ۔“

میرا نے اسے پر خیال انداز میں دیکھا تھا۔

”ابھی گزشتہ ہفتے تو تم نے دوپٹل ہیل والے سینڈل لیے ہیں۔“ سدرہ نے بھونکی

اچکاتے ہوئے پوچھا۔

”بارودہ تنگ کرتے ہیں آرام وہ انداز میں چلا نہیں جاتا اور تم تو جانتی ہو میرا سارا دن یونیورسٹی ڈیپارٹمنٹس کے چکر کانٹے گزرتا ہے تو

وقت ہوئی ہے چلنے میں اسی لیے سوچتی ہے کہ چھ سوئی چل سمیٹا اسٹیکس ہی جو تیرا خرید لوں۔“

”اد کے پھر پہنچ کر نوہم بھائی گھر یہ ہیں ان کی گاڑی لے لیتے ہیں ذرا بحث ہو جائے گی ٹائم کی۔“ سدرہ اٹھتے ہوئے بولی۔

☆ ☆ ☆
آج یونیورسٹی سے واپسی میں اسے کافی دیر ہو گئی کیونکہ اسے اسائنمنٹ کے لیے لائبریری سے بکس الٹو کروا کے کچھ اہم پوائنٹ نوٹ کرنے تھے وہ اور سدرہ بڑی تیزی سے اہم چیزیں نوٹ کر کے نارغ ہوئیں تو خاصا وقت ہو چکا تھا۔

گھر دیر سے آنا مسئلہ نہ تھا، مسئلہ بڑی امی کا پورن تھا یہاں سے گزر کر اسے اپنے پورن میں جانا پڑتا تھا اور بڑی امی کے ہاں آج کل ہر وقت میلہ سا لگا رہتا تھا آدین کے آنے کی اطلاع پا کے اس کا ذکر صبح و شام کا معمول بن چکا تھا اور اسے اس ذکر سے دشت ہوتی تھی۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

135/-	اردو کی آخری کتاب
200/-	خدا گندم
225/-	دنیا گول ہے
200/-	آوارہ گرد کی ڈائری
200/-	ابن بطوطہ کے تعاقب میں
130/-	چلتے ہو جین کو پٹنے
175/-	میری عمری میرا سفر
200/-	خدا اٹھتی ہے
165/-	بستی کے ایک کونچے میں
165/-	چاند گھر
165/-	دل و جی
250/-	آپ سے کیا پوچھ
200/-	ڈاکٹر مولوی عبدالحق
160/-	خواجہ اردو
160/-	انتخاب کلام میر
160/-	ڈاکٹر سید عبداللہ
120/-	طیبت شر
120/-	طیبت غزل
120/-	طیبت اقبال
7321690-7310797	لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

”کیا تھا جو یہ شخص کچھ اور دن میری زندگی پر سکون رہے دیتا میں کچھ اور وقت بے فکری سے گزارتی۔“ وہ گیت سے اندر آتے ہوئے سوچ کر رہ گئی۔

”بی بی آپ کو پتا ہے آذین باؤ پاکستان آنے والے ہیں۔“

گھر پر ملازمہ چٹوڑا سے دیکھتے ہی اپنے پہلے دونوں کی غماش کرتے ہوئی۔

”ہاں پتا چل گیا۔“ وہ سر جھٹک کر آگے بڑھی۔ اپنے معمول کے مطابق کپڑے بدل کے کھانا کھا یا سب کو پوچھا اور آذین کے آنے کی خبر پر کوئی رد عمل ظاہر کے بغیر وہ روزانہ کی طرح آج بھی نہرین چچی کے پورٹن میں شہرہ، سدرہ کے ساتھ بیٹھی اسائنمنٹ تیار کرتی رہی مختلف نکات پر بحث میں مصروف تھی۔ اگلے دو دن تک جان بوجھ کر اس نے خود کو صرف اپنے کمرے تک محدود رکھا

اور تیسرے دن جب وہ مکن سے چائے لگ لگ کر اپنے بندھن کی جانب جا رہی تھی آذین رائل اور چچی بچپن سے ملنے لڑکیوں کے سروں پر شفقت سے ہاتھ رکھتا وہ بہت سویر اور ڈینٹ لگ رہا تھا۔ جھلے چہرے پر سچے دلکش نقوش اینٹوں سے ملنے کی خوبی میں جھمکتے۔ اور پہلے سے قدرے مضبوط کرنی جسامت وہ ماضی سے زیادہ پرکشش نظر رہا تھا۔ وہ جو چائے سے ہمرا لگ لیے جانے کو کھڑی تھی اک گہرا سانس لیتی آگے بڑھی۔

”کیسی ہوا۔“ وہ اس سے پوچھا رہا تھا کہ

کو اس کی نظریں انھیں آذین کے چہرے پر گزری باتوں کا شائبہ تک نہ تھا۔

”قائن۔“ وہ مختصر جواب دے کر فوراً مڑ گئی تھی۔ پھر اس نے سارا دن صرف آذین سے

بچنے کے لیے سرور کا بہانہ کر کے سو کر گزارا تھا۔

شام کو اسے ڈنر پر باہر نکلتا ہی پڑا کہ یہ بڑے کا حکم تھا چاہے کسی کو بھوک ہو یا نہ ہو لیکن

شام کو تمام افراد دسترخوان پر موجود ہونے چاہئیں۔ نیا پہرہ وہ خاموشی سے امی کے پاس آکر بیٹھ گئی اور سامن پلیٹ میں نکال کر روٹی لینے کے لیے ہات پات کی طرف ہاتھ بڑھایا اسی پل امی کے دوسرے طرف بیٹھے آذین نے بھی روٹی

اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ سے ٹکرائے پل بھر کے لیے اس کے اندر سناہٹ ڈور گئی جلد ہی ہاتھ

کھینچ کر وہ اٹھ گئی۔

”مہرا کیا ہوا، کھانا کھائے بغیر کیوں جا رہی ہو۔“ بڑی امی نے فوراً ٹوٹ لیا۔ دل نہیں چاہ رہا

ان فیکٹ میری طبیعت ٹھیک نہیں، آپ بس کسی سے کہہ چائے گا ایک کپ چھو بھجوا دیں۔

”طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو پہلے بتانا تھا تمہارے لیے کچھ اور پکالیتے۔“ مہرا نے تشویش سے دیکھا۔

”یہ چاول لو اور تھوڑے کھا لو پھر چائے پی لیتا۔“ چچی نے اسے پلیٹ پکوائی تو وہ پلیٹ لیے

اپنے کمرے میں آگئی اور مٹی دیرانے دایم ہاتھ کو گھورتی رہی۔ جس پر آذین کے مردانہ ہاتھ کا لمس

ظہر سا لگا تھا۔

”گمینڈ ذلیل خود تو بڑا پارہا بنتا ہے اور ایس حرکت۔“ وہ غصے سے مل کھا رہی تھی۔

”سمجھتا کیا ہے آخر یہ خود کو، اب میں پانچ سال پہلے والی ڈر پوک، دیوار ہے اعتمادی تو عمر لڑکی نہیں رہی جسے کوئی بھی الزام لگا کر کسی بھی

طریقے سے دبایا دھکا یا جاسکتا ہے۔ اب میں ایک پر اعتماد مضبوط اور با حوصلہ شخصیت کی مالک

ہوں امیٹ کا جواب پتھر سے دینا جان چکی ہوں اور رہے تم آذین علی تو تمہارے دماغ تو میں

منٹوں میں ٹھکانے لگا دو گی۔“

آنکھیں بند کرنے سے قبل وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

وہ بہت نامحسوس طریقے سے خود کو الگ ٹھک کر بیٹھ گئی اور اس کا زیادہ وقت اسٹڈی روم میں

گزرتا تھا رامین نعمان اور میشرہ چونکہ اس سے اسٹڈی روم میں میلب لینتے تھے اور ان دونوں ان کے

فائل ٹرمر تھے سو وہ بڑی تن رہی سے انھیں تیاری کروا رہی تھی اور آذین یہ سب بہت خاموشی سے

دیکھ رہا تھا اسے اچھی طرح یاد تھا یہ وہی ہرا تھی جس کی سکول رپورٹ ہمیشہ کمزور ہوتی تھی جو ممر

کے پاس ہونے کے ٹیمر لیا کرتی تھی اور اس وقت وہ پنجاب یونیورسٹی کی ٹاپ پوزیشن ہولڈر سٹوڈنٹ

جو انگلش لٹریچر کے ماسٹر کو مقرب مکمل کرنے والی تھی، ایک اعتماد سے بڑھیں لڑکی بن چکی تھی

اور یہ حیرت انگیز تبدیلی آئی کیسے نے یہی بات اس کے لیے حیرانی کا باعث تھی اور میرا کے لیے اس

شخص کا دوبار سے یوں آنا اور ٹیمر تبدیل شدہ انداز و اطوار کے ساتھ کہ وہ جو ہر وقت دوسروں کا

مذاق اڑاتا ان کی تحقیر و تذلیل میں لگھوڑتا تھا اسے ریزہ ریزہ اور پتھیرے کے رہنے لگا تھا ہر کی آپ دعا تو

اسے مزید بگاڑتی تھکہ ستواری۔

”خیر مجھے کیا جو مجھے جیسا رہے میرا کون سا اس سے تعلق ہے کہ اتنا دماغ کھپاؤں۔ ویسے بھی

چہرے کے لیے شیر کا نہیں بدلتا وہ بھی اتنے دن چمن نہیں آخر کو اپنا اطوار پر آئے گا اور یہی لوگ

جو اس کے حوازن اور سلیجے حراج یہ تیسرے کرتے نہیں جھکتے منہ میں انگلیاں داے نظر آئیں گے۔“

وہ خود کو مطمئن کرتی ہوئی زہرا ب مسکرائی۔

”آئی کیا بات ہے اکیلے اکیلے مسکرایا جا رہا ہے۔“ نعمان اچانک بولا تو وہ چونکی۔

”تمہارے لیے یہ جانا ضروری نہیں تم اپنے سبق یہ دھیان دو۔“ وہ ایک دم سے سخت

حراج ٹیمر بن گئی۔

”آئی کج بتائیں آپ پچھلے ختم میں کسی پرائمری سکول میں استانی تو نہیں رہیں۔“ نعمان کی زبان میں پھر چلی ہوئی۔

”کیوں“ وہ اسے گھورتے لگی۔

”یہ رعب و دجلہ اور ایسا گر جدار، لہجہ تو دس بارہ بڑھی پرائمری کلاسز کے بچوں سے سر کھپائی

کرتی عمر رسیدہ استاذوں کا ہوتا ہے۔“

”شٹ اپ، تم یہ اسٹڈی روم میں اور اسٹڈی روم میں کم دیکھا کرو کیونکہ ہمارے مذہب میں یہ

جنہوں والا کوئی پکڑ نہیں۔ وہ غرائی۔

”لیکن روح کو تازہ کرتا بھی انسان کا حق ہے۔“ وہ فوراً بولا۔

روح تازہ کرنے کو اسے رب کا ذکر کرو اچھے موضوعات یہ لکھی تنبیہ کتابوں کا مطالعہ کرو۔“ وہ تنبیہ میز لہجے میں بولی۔

”اور اگر ایسی کتابیں پڑھنے کو دل ہی نہ مانتے تو۔“

”کیا بد مزہ ہے ذرا جو اسے فکر ہو نہ کھیل کے وقت گزار گیا۔“ وہ جھلا کر بولی۔

”آپ کو نہیں پتا آج آسٹریلیا اور سری لنکا کچھ ہے اور وہ اسے کسی صورت میں نہیں کر سکتا۔“ انکھرنے کہا تو وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

”آوے کا آؤ مجھ کو ہوا ہے بڑے بھائی میر تھے تو یہ سوا میر وہ رات بھر یہ کرکٹ کچھ دیکھتا تھا

اور اگلے دن پرچہ جانی پڑا آتا تھا، تو یہ کیوں پیچھے رہے۔“ وہ بڑبڑائی۔

”آپ نے ہم سے کچھ کہا۔“ میشرہ نے کتاب پر جھکا سر اور پراٹھایا۔

”نہیں تم پڑھو پتا۔“ وہ سر جھٹکتے ہوئے بولی تھی۔

☆.....☆.....☆

”کیا ہوا تم کی دن سے ہماری طرف آئی نہیں رہی ہو۔“

شہرہ آج اسے پکڑ کر ہی بیٹھی۔

”یونیورسٹی سے آکر اتنا ٹھک چکی ہوئی ہوں کہ کیا باتوں اور میں نہیں آتی تو تم نے کون سا راستہ گھسا دیے۔“

”تھک تو تم سب سے بھی جاتی تھیں پھر بھی ہماری طرف لازماً آتی تھیں اور اسی سے ملے بغیر تمہارا کھانا بھی بھن نہیں ہوتا تھا اور وہی میرے آنے کی بات تو تم بخوبی واقف ہو آذین بھائی کے لئے جلنے والوں کا تانا بندھا رہتا ہے۔ میری بہن سے جان چھوئے تو باہر نکلوں۔“

شرہ نے نان اسٹاپ ہوتے ہوئے اسے گھورا۔

”بس تو پھر ٹھیک ہے سب کے ایسے ہی مسئلے ہوئے ہیں۔“

”تم کو سناؤ ذرا حوالات میں مگی ہو کہ مسائل درجش آگئے۔ اپنے کمرے سے یہاں آتے میں کوئے مسئلے پیش ہونے لگے۔“ شرہ چکر بولی۔

”کیا یہ پوچھنے کی ضرورت ہے جبکہ وہ سے تم واقف بھی ہو۔“ وہ غیر معمولی سنجیدگی سے بولی۔

”میرا تم ابھی تک اسی بات کو ذہن میں لیے بیٹھی ہو وہ ایک بچنے کا قصہ تھا غلط یا درست تم دونوں میں کون تھا یہ مجھے کہہ سکتی ہو ہوش نہ تھا جبکہ آذین بھائی تو۔“

”Samra please leave this topic“

”میں اس سلسلے میں کچھ نہیں سننا چاہتی وہ بھی تم سے۔“

میرا نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

”تم کیا سمجھتی ہو یوں اس طرح کرنے سے وقت گزر جائے گا جبکہ تم دونوں ایک گھر میں رہتے ہو اور دن میں کئی بار تم دونوں آئے سائے ہوتے آتے ہو تو ایک دوپہ کو بلائے وقت گزرے گا۔ جبکہ اب تم دونوں اس ٹھکانے سے نکل کے پھر راج میں آجئے ہو تو ایسی نظائیں کیے چلیں گی۔“ شرہ لفظ لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

”یہ سب کچھ ایسے اور اسی انداز میں چلتا

ہے اگر نہیں تو اپنے بھائی سے کہو وہ میری زندگی کے وہ دن وہ لمحے واپس کر دے جو محض اس کی اک ناگوار شرارت کے عوض مجھے پل میں اوزار کر گئے تھے۔ وہ سارے دن میں نے سب اعتباری کی آگ میں جھلتے گزارے تھے۔ وہ سارے لمحے جو دکھ کے گہراں کو میری آنکھوں کے حوالے کر کے مجھ سے رونے کا حق بھی لے گئے تھے۔ وہ سارے پل جب میں نے اینٹوں کی آنکھیں رو دیوں اور لہجوں میں نفرت، تنگ تھکیک اور تحقیر دیکھی مگی مجھے پانچ سال ہو گئے اس جھوٹی ملامت کے بوجھ تلے دبے خود کو نکالتے سنوارتے اور تم کہتی ہو میں اسی بات کو لیے بیٹھی ہوں وہ اک بات نہیں ہے۔ شرہ شرمندگی عداوت اور بے عزتی کا اہمٹ دار ہے جیسے میری سانسوں نے ہر لہو اپنی چیشانی پر تپتے ٹھوس کیا ہے اور میں اپنے آئینہ پر دار کو دلتوں چور دیکھتے ہوئے کسی کو یہ بھی نہ کہہ پائی تھی کہ میں کتنی محتاط اور بار سادھوں میرے لیے محبت پسند کے الفاظ جب کوئی مجھ سے نہ کہتے تھے۔ میں ان کے مفہوم سے ہی لاعلم تھی اسی وقت مجھے ان کا اثر متناک لباس پہنا پاتا تھا تمہارے بھائی نے اور اپنے فعل برزرا اثر مسار بھی نہ تھا پھر اس شخص کو میں کیسے معاف کر دوں کیا مجھے کسی نے معاف کیا تھا۔ جبکہ میں نے گناہ بھی نہیں اور وہ تو قصود اور بھی ہے۔“ وہ دکھ سے کھولتے لہجے میں بولی تھی۔

شرہ اسے دیکھتی رہ گئی چپ چاپ سنجیدہ۔

”شرہ جلدی سے کھانے آؤ، مجھے شدید بھوک لگی ہے۔“ آذین باہر سے ہی بول آ رہا تھا۔

”تم تو بیٹھا دھڑکھڑاتی ہو“ شرہ نے اسے اٹھنے دیکھ کر ٹوکا۔

”بشرہ میرے انتظار میں کتابیں لیے بیٹھی ہوگی میں چلتی ہوں تم آ جانا“ وہ کہتی ہوئی مڑی تو لہراتا ہوا آسانی آجمل اندر داخل ہوتے آذین

کے چہرے پر سے ہوتا ہو گزرا گیا وہ ہیں کھڑا اس کی خوشبو کو سانسوں میں اپنا تار بایہ جانے بغیر کہ وہ اس کے حلق کی راہے رکھی ہے۔

لمبی جاتی راتوں کے

تھا موسم پھیلی پھیلی

محبت کی پھیلی پھیلی

یقین کا بدن رکھ رکھ

اپنی قبولیت کا قلندر رکھ رکھ

☆ ☆ ☆

”یہ جاننے کے باوجود کہ اس شخص کا تذکرہ میرے لیے کس قدر تکلیف دہ ہے۔ کیوں بار بار مجھے اسی کے حوالے ملتے ہیں آخر یہ ایک شخص میری زندگی سے نکل کیوں نہیں جاتا۔ شب سیاہ کی طویل اور خوفناک سیاہی کے تند میری زندگی کے شب و روز یہ چھایا ہوا کیوں ہے۔“

طویل راتیں بھی بالآخر ختم ہو جاتی ہیں مگر تم کیوں ختم نہیں ہو جاتے اور انسان ختم ہو جاتا ہے پھر بھی جیسے چلا جاتا ہے جیسے میں جیسے جاتی ہوں۔ اپنے خواب، خواہشات اور کو اپنے سامنے مرتے جلتے دیکھ کر بھی۔ بعض لوگوں پر موت کتنی آسان ہوتی ہے مجھ پر وہ بھی نہیں میراں ہوتی۔

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بھلائی کے امیدوار ہوں انجھانی کے حق ہوں اور برائی پیش آ جائے زندگی کے راستوں کو خوش امید کی روشنیوں سے جگمگاتا چاہیں اور ان روشنیوں کو نا امید کی اندھیرا اگل جائے۔ تو خواب کیسے راگ خواب بنے ہی نہیں دیتی بلکہ امیدوں آرزوؤں کو دیران کر دیتی ہے اور یہ دیرانی احساس و شعور کو یا گل کر دیتی ہے انسان لمحوں میں دوستوں کے ہاتھوں خود کو گمراہ جھٹکا ہے حوصلہ ٹوٹ جائے تو جیسا نہیں جانتا ہاں میرے بھی حوصلے ٹوٹ گئے تھے۔“ میرا کی ٹپکیں چھلکیں۔

”اور یہ حوصلے بداحادی کے اس بچ نے توڑے تھے جو تم نے میرے بچنے کے چہرے پر لگا

دیا تھا اور میں بداحادی دے اعتباری کے اس بچ کو تار بنے دیکھتی رہی کہ تم نے میرے حق میں کوئی راستہ یا لہجہ پھوڑا ہی نہ تھا اس بے اعتباری کو اعتباری کا لباس پہناے خود آڑی کی منزلوں سے گزری یہ وہی لمحے تھا کہ میں جنہوں نے مجھے درد کے موسم جھلتے اور باتوں سے بھگتے دیکھا ہے۔“ وہ کئی آنکھیں بند کر گئی۔

”اس درد کو میں جان سکتی ہوں صرف میں آذین علی کہ میں نے یہ درد اپنی ہر سانس یہ اپنے اندر سگنایا ہے اس درد کو تم نے بخشا تھا آذین یہ درد مجھے تم نے سونپا تھا اس وقت جب میرے مسکراہٹوں، رنگوں، موسموں اور خوابوں سے آشنا ہونے کے دن تھے۔ میری بھگتی سوچ کے وہ زاویے جو زندگی کو صرف اک خوش کن احساس کچھ رہے تھے۔ سناہٹ کا بوجھ دے دیا اور میں خود کو کیسے جوڑ پائی اپنے کھڑے ہونے کو پاؤں بھر رات کن دلتوں سے بٹایا یہ بھلا بولنے والی بات ہے۔ یہ سب بھولنے والا نہیں ہے اور جب مجھے یہ اذیتیں ہی نہیں بھوتیں تو تم کیسے بھول سکتے ہو آذین علی تم جو اک قابل نفرت سنگ راہ کی صورت میرے راستوں پر کھڑے ہو اور میرے پاؤں کی دھن بھر سے بڑھتے گئی ہے اپنے سفر کی تختیوں کو سوچ کر دیکھ کر۔“

پھر میں نہیں کیسے معاف کروں معاف کرنا کیا اتنا آسان ہے سب کے لیے تمہاری ہستی اہم ہے مگر میرے لیے صرف میرے وہ ماہ و سال اہم ہیں جو میں نے اک ناکردہ جرم کی طافی کے طور پر خود کو آگ سے گزارتے ہوئے طے کئے۔ ان لمحوں کی تپش اب بھی میرے موجود سے آج دیتی ہے اور اس آج میں تم بھی سگھو کے اسی بے بسی اور خاموشی سے جیسے مجھے لگتا تھا۔ میرا ہر درد جب مٹے گا جب تم درد سے گزر دو گے۔ میرے سکون کا پناہ میرے سے گا جب اضطراب تمہاری آنکھوں کو پاتوں کے حوالے کر دے گا۔“ گہری رات کے

سیاہ سنانے کو دیکھتے غم نگاہوں سے وہ سوچتی تھی
نیند اور سوسنی سے بے نیاز۔

جودل پر تھرپے وہ جرم صاف کون کرے!
وہ رسوائیاں کتنی ہوئی تیری صاف کون کرے!
سایا کر کے کھوار کا سنا دیا!
راتے سے حاکم کی اب اختلاف کون کرے!
ٹوٹے چدار کے ذمہ کی لہو کون کرے! اگھیاں
دریدہ بدن پر سچا سس کا عطف کون کرے
☆.....☆.....☆

”میرا بیٹا تم تو لیت ہی یونیورسٹی جاؤ گی
ناں۔“

بڑی امی اسے بچن میں آتے دیکھ کر بولیں۔
”آج مجھے جانا نہیں ہے پرسوں ایک بہت
اہم ٹیمٹ ہے میں گھر رہ کر اس کی تیاری
کر دو گی۔“ وہ فرح سے غصے پانی کی بوتل
ٹکالتے ہوئے بولی۔

”تو پھر ایسا کرو آؤں کے لیے جائے جاؤ
اسے کسی کام سے جانا ہے۔“ وہ کوئی بہانہ بنا کے
وہاں سے نکلے والی تھی کہ آؤں دہیں چلا آیا۔
”تم جھوٹا آؤں یہ سوئی والا پراخا کھاؤ
گرم گرم میرا سے کہا ہے یہ تمہیں جانے عداوے
کی۔“ بڑی امی اسے کہتی ہوئی باہر نکلیں اور وہ
جزیر ہوئی سانس بٹن میں چائے کے لیے پانی
ڈالتے لگی۔

”تمہیں اچھی طرح معلوم ہے میری عادت
کا کہ میں پانی والی چائے نہیں پیتا۔“ اس کے
مصرف انداز کو دیکھتے ہوئے وہ ناگوار سے
بولی۔

”مجھے تمہاری عادتوں کا بائوڈنا معلوم نہیں
اتنے غرے کرنے ہیں تو خود بناؤ۔“ وہ بے رخی
سے کہہ کر چوہے کے سامنے سے گئی۔
”اتنی روڈ کیوں ہو رہی ہو“ پہلے تو تم ایسے
نڈھی۔“ وہ کہا تھا۔
”تمہیں میرے حراج کی کتنی پامری سے کوئی

تعلق نہیں ہوتا چاہیے۔“ وہ کھولتے پانی میں پتی
ڈالتے ہوئے جتانے والے انداز میں بولی۔

”تعلق کیوں نہیں ہونا چاہئے تمہارا ایک
مضبوط رشتہ ہے ہم کزنز ہیں۔“ وہ ہلکے ہلکے انداز
میں بولی۔

”تمہیں اس رشتے کے حوالے سے کوئی
عرض نہیں رکھنی چاہئے کیونکہ میں صرف ان
رشتوں کو مانتی ہوں جو میرے سنگے اور خونی رشتے
ہیں۔ یہ آپسی تعلق داری سے میرا کوئی ٹک
نہیں۔“ وہ بے رخی سے بولی۔

”link“ لگانے سے بنے ہیں۔“ وہ اپنی
خوش نما آنکھوں کو جنٹن دیتے ہوئے بولی۔

”مجھے ایسے تعلقات بنانے کی کوئی ضرورت
نہیں۔“ اس کا انداز خشک تھا۔

”مگر زندگی کو ایسے تعلق اور رشتوں کی بہت
ضرورت ہے۔“ وہ زور دے کر بولی۔

”تم اپنے کام سے کام رکھو تمہیں میرے
زندگی کے تعلق پریشان ہونے کی ضرورت ہے نہ
آئندہ مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے کی اور
مجھے بلانے یا مجھ سے گفتگو کرنے کی کوشش مت کرنا
مجھے تم سے نفرت ہے۔“ چائے کا کپ اس کے
سامنے رکھ کر وہ رکی نہیں تھی۔

اور آؤں علی بالکل چپ چاپ میز کی چکی
سج پر رکھے کپ پر نظریں پٹانے اس کے قدموں
کی دور ہوئی آنکھوں کو تھم کر تارہ گیا۔

☆.....☆.....☆
”کیا کر رہی ہو۔“ سدوہ نے پیچھے سے آکر
اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے تھے اور وہ آنکھیں
موندے ہوئی تھی۔

”خواب دیکھ رہی ہوں۔“
”کیسے خواب۔“ وہ اس کبیرا پریشی۔
”گلابی چمکتی دھوپ جیسے خواب گہم کے
سنہری خوشوں جیسے سبکے خواب سادوں کی بے تحاشا
اور اچانک گھر کے آنے والی مست بارش جیسے

خواب بہار کی خوشبو بھری ساعتوں جیسے رنگین
خواب۔“ وہ بہت مست انداز میں بولی۔

”یارت تم ایسے خوابوں کا کوئی حدود در بند تو
جناؤ تاکہ ہم ان کی تفسیر کا اسباب نہ بنیں۔“

”بڑے عایشان سے آفس میں ساڑی پہن
کے پٹیل کی ٹک ٹک کر کے جتنے صاف ستھرے
فرش پر سو رہا انداز میں چلتی بڑس دو من جو شاندار
اور کشادہ سے ٹیبل پر رکھی فائلوں کے پلندے پر
سائن کر لکھنے کی منظوری دے رہی ہو۔“

”تم اور بڑس دو من مجھے کا لیجر تو تم سے
نوٹ نہیں کیا جاتا بڑس کلاسز کیسے پڑو گی، بس پر
روٹی پکانا سیکھ لو تو بہت کامیابی ہے۔“ نعمان اس
کی بات پر ہنستا ہوا بولا۔

”تم خاموش رہو بیٹریل طوطے تم مرد لوگ
کسی عورت کو ترقی کرنا کیسے دیکھ سکتے ہو۔ تم تو یہی
چاہیے ہو کہ عورت بس چولہا جلی اور ریں ریں
کرتے بچوں میں پنشن ایسے حقوق سے بے خبر
بے بس مخلوق بنی رہے اور تم لوگ پیش و عشرت میں
پچھے خان بنے پھرتے رہو۔ دیکھ لینا وہ دن دور
نہیں جب میں ایک کامیاب بڑس دو من ہوں گی
اور تم جیسے مرد ذرا ذرا سے کام کے لیے ہاتھ
باندھے میرے سامنے کھڑے جھڑکیاں کھایا کرو
گے۔“ وہ گردن اکڑا کے بولی۔

”بس بس آنکھیں کھول دو ابھی تم زمین پہ
کھڑی ہو اور پاؤں میں جوتے بھی نہیں پہلے جوتی
کا بندوبست تو کر لو پھر آفس میں ٹک ٹک کر کے
جانے کے خواب بھی دیکھ لینا وہ اس کے بال بچپنے
ہوئے وہ بولا تو اسے اچھی خاصی تپ چڑھ گئی۔

”تم کہیں انسان، یہ نیز کرتے شرم تو نہیں
آتی۔“

”جب تمہیں دن ڈیہاڑے یہ اذیتے اور
چھوٹے خواب دیکھتے شرم نہیں آتی تو باقی سب
؟“ وہ پھر سے اس کے سر پر چیت لگا تا بولا۔
وہ تاؤ کھا کے اٹھی تھی کہ نعمان چلا نکلیں لگاتا

یہ جاوہ چا۔
”وئے مبشرہ تم ٹھیک کہتی ہو ہم عورتوں کی
بھی کیا زندگی ہے صبح اٹھو اور نوکروں کی طرح
کاموں میں جت برتن کپڑے دھونا استری کرنا
بچے سنبھالنا آئے گئے کو دیکھنا، سکون تو جیسے زندگی
سے ناپ ہو جاتا ہے اتنا کر کر کے بھی جب ذرا سی
بات یہ سب حساب کتاب چکنا ہو جائے تو دل جینے
سے بیزار ہو جاتا ہے۔“ بائیں بھائی اس کے
چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

”تو اور کیا مردوں کی تو عیش ہیں آرام سے
اٹھے پر بس شدہ کپڑے پہنے اچھا کھایا پیا اور
ملازمت پر چلے گئے وہاں سے آکے آرام سے
کھانی کے چار گڑوی سکی سنا کے سکون سے لیٹے
زندگی تو یہ ہے۔“ سدوہ نے کہا۔

”پیرا بھی ایسا بھی نہیں مرد بھی بہت مشقت
کرتے ہیں۔ کمانا اور مرد گرم کھینوں کے ساتھ
کام کی سختیاں جھیلنا یہ سب اتنا آسان تو نہیں ہم
لوگ تو گھر بیٹھے باتیں کرتی ہیں وہ باہر قسم قسم کے
لوگوں اور رویوں کو دیکھتے ہیں یہ انہی کا کام
ہے۔“ شروہ نے نکلتا اعتراض اٹھایا۔

”اور آج کا یہ ڈیٹ کیشن مس شروہ نے
جیت لیا ہے اسی خوشی میں یہ سونے کا تاج ان کے
سر پر رکھا جا رہا ہے۔“ نعمان ایک بار پھر نمودار ہوا
خالی تریوز کے چمکا اس کے سر پر دکھ دیا اور وہ
تیوں ہنس ہنس کر دھری ہوئی تھیں۔

☆.....☆.....☆
میرا اور سدوہ یونیورسٹی جانے کے لیے ناشتہ
کر کے تیار کھڑی تھیں مگر ڈرائیو کا کوئی پتا نہ تھا۔
”اسی لیے آپ سے کہا تھا کہ مجھ ڈرائیو تک
سیکھنے دیں بندہ انہی دیر سو پر میں یوں مشکل کا شکار
تو نہ ہو۔ اب یہاں کھڑے پاگلوں کی طرح کسی
مددگار کی راہ دیکھتے ہیں۔“ میرا امی کو دیکھتے ہوئے
کہنے لگی۔
”کوئی پاگل نہیں ہوتی تم ابھی کوئی چھوڑ

آئے گا تم لوگوں کو۔“ می نے کہا۔

”وہ تو چھوڑ آئے گا مگر تب تک ہمارا پہلا بی بیٹرس ہو جائے گا اور بھلا یہ ڈرائیور کیا کہاں اس وقت اسے علم نہیں کہ ہمیں یونیورسٹی جانا ہے۔“ وہ غصے سے بولی۔

”بھئی چھٹی لے کے گیا ہے وہ بیمار اس کی بیٹی بیمار تھی گاؤں میں وہ اس کے بہتر علاج کے لیے اسے شہر لانے کے لیے گیا ہے۔“ می آرام سے بولیں۔

”تو جب آپ چھٹی دے رہی تھیں آپ کو یہ نہیں پتا تھا کہ ہمیں کتنا مسئلہ ہوتا ہے۔“ اسے خوا خواہ تو ادا تو آئے جا رہا تھا۔

”تم بیٹو ڈراما میں دیکھتی ہوں اگر فیم بھائی اٹھ گئے ہوں تو وہ ہمیں آفس چھوڑ آئیں گے۔“ سدورہ کتابیں سائیز ٹیبل یہ دیکھ کر باہر نکلی۔

”چلو تم دونوں میں نے آؤں سے کہا ہے وہ آفس جاتے ہوئے تم لوگوں کو یونیورسٹی ڈراما کر دے گا۔“ بڑی امی نے لاؤنج میں آتے ہوئے کہا تو اس کا موڈ پہلے سے زیادہ خراب ہو گیا مگر وہ ظاہر کئے بغیر ساٹھ سے انداز میں بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

”Coming Girls“ موبائل جیب میں رکھتے ہوئے بلیک مگر کی شرٹ اور بلیک چنٹ میں بیویں وہ گاڑ پورج سے نکالتے لگا۔ میرا نے بہت اکتائے ہوئے انداز میں اسے دیکھا پھر کتابیں سنہالے قدم اٹھائی پچھلا دروازہ کھول کے اندر بیٹھ گئی۔

”ایگز اٹر کب ہو رہے ہیں تم لوگوں کے۔“ وہ بیک مرد سے دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا۔

”سر پر ہی سمجھیں بس فائل سسٹمز کی تیاریاں ہی کر رہے ہیں۔“ جواب سدورہ نے دیا تھا۔

”تیاری کیسی ہے تم اکیڈمی وغیرہ جاتی ہو کہ نہیں۔“

”اکیڈمی جاتے ہیں اور تیاری بہت اچھی ہے سیکنڈ سسٹمز میں ہماری فرسٹ پوزیشن آئی تھی ارادہ ہے کہ یونیورسٹی کے ٹاپ پوزیشن ہولڈرز سٹوڈنٹ میں اپنا نام لکھوا لیں دیکھیں رادی کیا لکھتا ہے۔“ سدورہ ہنستے ہوئے بولی۔

”جواب وغیرہ کرو گی یا اسٹریڈی ڈگری کو چومے روٹی کی نذر کر دو گی۔“

”وقت پر منحصر ہے۔ فی الحال کوئی آئیڈیا نہیں۔“

سدورہ کے کہنے پر آؤں نے لمحہ بھر خاموش ساٹھ تاثرات لیے بیٹھی میرا کا چہرہ ادا کیا تھا پھر گہرا سانس لے کر توجہ ڈرائیو کی طرف یہ سوال کیے جا رہا تھا مگر وہ کوئی تاثر دیے یا دیکھی ظاہر کیے بغیر ٹیس سے انداز میں بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی۔

”چھٹی کے نام میں لینے آ جاؤں گا مجھے مس کال دے دیتا۔“

انہیں اتارتے ہوئے وہ بلا تو میرا دیتا ہے تیزی سے یونیورسٹی کا گیٹ کراس کر گئی اور سدورہ سر ہلا کے اس کے پیچھے چلی گئی انہیں جاتے دیکھتے ہوئے وہ گاڑی پر یورس کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

وہ کھانا کھانے کے بعد فریش ہونے کے لیے موسیقی کے ساتھ ڈرائی فریڈ سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ کیریم یورڈ کھیل رہے تھے۔

سب کزنز ہال کرے میں اکٹھے تھے واؤ ہو کے شور نے ہنگامہ مچایا ہوا تھا۔ جب ملازمہ گلشن نے اندر جھانک کر بتایا۔

”میرا بی بی آپ کو چھوٹی بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔“

”تم لوگ میرے آنے تک گوشت نہ ہلانا میں می کی بات سن کر آتی ہوں۔“

انہیں تاکید کر کے وہ می کے کمرے کی طرف آئی تو وہاں سے بڑی امی بڑے ابو اور اس ڈیڈی نکل رہے تھے۔ اسے حیرت اس لیے نہ ہوئی کہ

پہلے بھی یہ سب لوگ اکثر یونی اکتھے بیٹھا کرتے تھے اور سرین جی جی بھی ان لوگوں میں شامل ہوتی تھیں کبھی بچوں میں ان کی بیٹھک پارٹی تبدیل ہوتی رہی تھی۔

”می آپ نے مجھے بلایا تھا۔“ میرا اندر داخل ہوئی۔

”ہاں ادھر آ جاؤ میرے پاس۔“ انہوں نے اسے بیڈ پر بلالیا۔

”کلی سدا یہ اور ارشد آرہے ہیں۔ تمہاری چھو بھی ہوئی تم یونیورسٹی سے چھٹی کر لیتا۔“

”می وہ لوگ مہمان سے آئیں گے آتے آتے دو چہرہ تو ہو جائے گی اور تب تک تو میں ویسے بھی یونیورسٹی سے آ جاؤ گی۔“

”نہیں تمہارا چھٹی کرنا بہتر ہے سدورہ اور شرہ بھی گھر ہو گی تمہارا اکیلے جانا ٹھیک نہیں۔“ وہ سنجیدگی سے بولیں۔

”اور کے چھٹی تو میں کر لوں گی لیکن صبح کیا کوئی خاص بات ہے۔“ وہ حیران ہوئی۔

”شرہ کے لیے پرنزل لارے ہیں تمہاری چھو اور شد سے چھوٹے اظہار کا اور ان کی چھوٹا سا فنکشن کرنے کا ارادہ ہے ہوں گے تو بس گھر کے لوگ مگر چونکہ ایک دو اور لڑکیوں کو پابند کرنے کا خیال ہے تو گھر بلو تقریب میں باقاعدہ رسم ہوگی۔

وہ خاصے رسمی انداز میں بولی تھی۔

”اودہ اچھی خبر ہے اور سر پرانزنگ بھی اور شرہ تو ویسے بھی اظہار سے بہت متاثر ہے۔“ چوٹک کر پوچھا۔

”دیئے گی دوسری لڑکیاں کون سی ہیں؟“ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”ایک تو تمہاری چھو کی زنیہہ ہے جسے سرین بھائی اپنے راجیل کے لیے پریوز کریں گی اور دوسری تم ہو۔“ می کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

”میں اس نے بے حد خیر سے اگلی اپنی سٹ

کی تھی۔“

”ہاں تمہارا پرنزل بہت دیر سے او کے تھا بس آؤں کا انتظار تھا کہ وہ آ جائے تو باقاعدہ اعلان ہو جائے۔“ می کا انداز بہت سرسری سا تھا۔

”مگر می یوں اچانک مجھ سے پوچھتے بنا مجھے بتائے بغیر۔“ وہ دکھ سے بولی۔

”لڑکا دیکھا بھالا اچھا سمجھا ہوا ہے اپنا پرنس ہے پھر گھر کی بات ہے اس میں پوچھنے بتانے کی ضرورت نہ تھی۔“ وہ آرام سے بولیں۔

”گھر کی بات کیا مطلب۔“ میں سمجھی نہیں۔

”وہ اچھ کے بولی۔“

”آؤں کے ساتھ تمہاری نسبت طے کر رہے ہیں تمہارے فائل ترمز ہوتے ہی شادی کر دی جائے گی۔“ می جتنے سکون سے کہہ رہی تھیں وہ اسی شدت سے تڑپ کر بولی تھی۔

”یا آؤں کے ساتھ؟“

”ہم جانتے ہیں تمہیں اعتراض نہیں ہوگا۔ آؤں میں کوئی خامی نہیں ہے اس کی وجہ سے اسے رد کیا جائے۔“

”دمی آپ کو پتا ہے کہ اس نے کیا کیا تھا میرے ساتھ کیسے مجھے تماشہ بنا دیا تھا سارے خاندان میں میرا کیرئیر میرا مستقبل میری اسٹڈیز سب کچھ اس کی وجہ سے واؤ یہ لگ گیا تھا۔ نفرت ہے مجھے اس کینین فطرت انسان سے اور آپ زندگی بھر کے لیے مجھے اس کے حوالے کر رہی ہیں۔ میں بیٹی ہوں آپ کی اور آپ میرے ساتھ۔“ وہ دم کی شدت سے رو پڑی تھی۔

”وہ بہت پہلے کی بات ہے اس وقت تم بچی تھیں جو ہوا پرانی بات ہے دیے بھی غلطی سراسر تمہاری تھی ہم تو حیران ہیں کہ وہ کس قدر اعلا ظرف لڑکا ہے تمہارے خعلق سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نسبت پر خوش ہے۔“

می عقیدت و شرمندگی کے لے لے جے

59

جہاں سمیت بولی تھیں۔

”جب ماں ہو کر آپ ہی انصاف نہیں کر رہیں تو، وہ تو پھر غیر ہے۔“ اس کی آواز بھرائی شدت کر ب سے۔ مگر وہ سختی سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔

”لیکن آپ یہ جان لیں کہ آپ لوگوں کو میں خود پر تجربے کرنے نہیں دوں گی۔ کیونکہ مجھے بھی اپنی مرضی سے جینے کا اتنا ہی حق ہے جتنا آذین کو۔“

”تم پریشان مت ہو کوئی برا نہیں کر رہے ہم تمہارے ساتھ تم اچھی زندگی گزارو گی آذین کے ساتھ۔“

”اچھی زندگی آپ جانتی ہیں وہ اچھی زندگی کیسے ہوگی؟ کن احتمالات سے گزارو گی اور وہ کیسا سلوک کرے گا میرے ساتھ؟“ اس کی آواز پھٹ گئی۔

”آذین بہت Qualified اور Genius شخص ہے ایسے لڑکا جو ایک شاندار بیک گراؤنڈ اور مضبوط پوزیشن رکھتا ہو پر سناٹا لڑائی وائز بھی پرکشش ہو تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہوگی تو اور کیس کے ساتھ ہوگی۔“

”آپ یہ سمجھ لیں کہ میں ایسے جینکس اور قابل شخص کے لیے مس فٹ ہوں اس کے لائق نہیں اس کے ساتھ نہیں چل سکتی یہی سوچ کر مجھے بخش دیں۔“ وہ پھر ہلک اٹھی تھی۔ ساجدہ بیگم نے پریشانی سے اپنی بیٹی کو دیکھا تھا۔

”سب راضی ہیں۔ میں کیسے بنا وجہ کے یوں؟ تم سمجھ نہیں رہیں کیوں مجھے مشکلات کا شکار کر رہی ہو۔“

”مشکلات کا شکار تو آپ کر رہے ہیں وہ شخص کر رہا ہے جیسے اس نے مجھے چند سال پہلے کیا تھا اور میں یہ بتا رہی اب میں وہ سولہ سترہ سالہ دیو اور کمزوری لڑکی نہیں رہی جو اپنے خلاف سب کچھ غلط ہوتے دیکھ کر بھی ڈر سے خاموش رہے۔ مجھے

اپنے حق کے لیے بولنا اور لڑنا آ گیا ہے۔“

”میرا یہ حقائق باتیں چھوڑو اپنے کمرے میں جاؤ۔“ ساجدہ بیگم سختی سے بولیں۔ وہ چند لمبے بھلی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر جھٹکے سے اٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

”آئی آپ دیکھیں ذرا سب کیا کر رہے ہیں میرے ساتھ صبح منگنی ہے سب طے ہو گیا صرف آذین کے کہنے پر اور مجھے کسی شمار میں نہیں رکھا گیا۔“ اپنے سیل فون پر وہ سعدیہ سے شکوہ کر رہی تھی۔

”اور یہ می کو دیکھیں اوپر سے سختی براڈ مینڈ بنتی ہیں اور شادی جیسے اہم معاملے میں مجھے پوچھنا یا قاتنا تک گوارہ کیا۔“ وہ بھرائی آواز میں بولی۔

”کیا مطلب تم سے پوچھا نہیں گئی تو کہہ رہی تھیں تم سے پوچھ لیا ہے اور تمہاری رضا مندی سے رشتہ طے ہو رہا ہے۔“ سعدیہ پر حیرت سے بولی۔

”جھوٹ ہے آئی مجھے سے کس نے کچھ کہا نہ مناسب بڑوں کی مرضی سے ہو رہا ہے۔“

”حیرت ہے کم از کم می کو تو تمہاری رائے لینا چاہئے تھی۔“

”رائے تو صرف آذین کی اہم ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے بنا کسی قصور کے مجھے ذلت کے حوالے کر دیا تھا پھر بھی یہ سب اور آپ تو سعدیہ آئی میری سچائی اور بے گناہی کی سب سے بڑی گواہ ہیں۔ آج مجھے آپ کی گواہی اور ساتھ چاہئے۔ میں ہرگز اس شخص کے ساتھ شادی کے لیے رضا مند نہیں۔“ وہ ہلک اٹھی۔

مت چھوڑے گا۔ میں پہلے اس بھنور سے بہت مشکل سے نکلی ہوں اور میری ویل پاور اتنی نہیں ہے کہ بار بار خود کو دکھوں کی بجائی میں بیٹے سکتے دیکھنے دیکھوں اور کہاں ضبط کا مظاہرہ کر دوں۔“ وہ آنسوؤں سے بھرے لہجے میں بولی۔

”میر Be brave تم تو بہت بہادر لڑکی ہو۔ اپنے حواس کو قابو رکھو حوصلہ دو میرا یقین کرو میں کسی کو تمہارے ساتھ غلط کرنے نہیں دوں گی اور اب اپنے ذہن سے تمام تفکرات کو جنگ دو خود کو پرسکون رکھو۔ آرام سے سو جاؤ۔ اس یقین کے ساتھ کہ تمہارے ساتھ اچھا ہوگا زندگی میں بہت سی خوشیاں تمہارے حصے کی ہیں تو تمہیں ضرور ملیں گی۔“ سعدیہ رساں سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

”Thanks آئی آپ کے کہے الفاظ نے مجھے اگ حوصلہ دیا ہے۔“

”میری جوشیلے کو لے کر خود کو متوازن اور مضبوط رکھو اور پھر واپس آجی کر تم تمہا نہیں ہو تمہارے ساتھ کوئی برا نہیں کر سکتا کیونکہ تم خود بہت اچھی ہو اور اچھائی کو بڑھ کر دیتی ہو اور کے ایجنڈ گڈ ٹائمٹ۔“ انہوں نے الوداعی سلام کے ساتھ رابطہ منقطع کیا اور وہ کچھ دیر موبائل کی آف اسکرین کو دیکھتی رہی پھر نگاہیں اپنے کمرے کی مشرقی دیوار کے درمیان میں لگی گلاس وینڈویہ جنادیں۔

اس کے کمرے کے بالکل سامنے آذین کا کمرہ تھا کھلی کھڑکی سے اندر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا وہ آگس سے آکر فائلر لیے بیٹھا تھا بلکہ جھو کے ساتھ لیمن کھڑکی ٹی شرٹ پہنے وہ بہت چنڈ سم لگ رہا تھا۔ بڑھتے ہوئے چونک کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا پھر ہلکتی ہوئی نگاہیں کھڑکی کے پار بیٹھی میرا رہ گئی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ بے اختیار اٹھ کر اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔

”اس کی عمر تو دیکھیں چھوٹی ہی ابھی دو دوہے کے دانت ٹوٹے نہیں اس کا یہ حال ہے تو آگے تو ماشا اللہ۔“ آذین کا استہزائیہ لہجہ گونجنا تھا۔

”جب وہ خطا میرے دوستوں نے بڑھا اور مجھے چیخڑا تو یقیناً جا میں کہ میں سوچ رہا تھا زہین بیٹے اور میں اسے میں سما جاؤں۔“ وہ بولتا جا رہا تھا اور می اسے کھا جانے والی نگاہوں سے بس گھورتی جا رہی تھیں۔

”ذرا بڑھیں تو ایسی باتیں تو یہ تو۔“

وہ خط پڑھنے میں مصروف تھا اور می اس کی دھناتی تھیں۔

میرا کی نگاہوں کے سامنے دھند چھانے لگی سرچکرا رہا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں میں سر دیے اپنے خوفناک ماضی سے بچھا بچھڑانے کی سعی کرنے لگی مگر یادیں تھیں کہ کسی آنکھی طوفان کی مانند درد کے تو کیلے شتر چبوتے ہوئے اسے خار دار ماضی کے حوالے کرنے کے درپے تھیں۔ اس نے اپنے دیکھے سر کو تھامے ہوئے ایک بار پھر چہرہ موز کر دیکھا وہ ابھی تک وہیں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا نا پلکیں جھپکائے۔

میرا کی پلکیوں سے کئی آنسو نکل کر رخساروں پر پھسل گئے اور ماضی کا سارا کرب ان آنسوؤں کے ساتھ ایک بار پھر اس کی رگوں میں پھیلتا چلا گیا۔

کرا داتاں لکھوں؟

کسی پر ہواؤں کی

کہ ہاتھوں میں اوبلیو

کہ انگلیاں ہیں کئی ہونی

تذکرہ کروں کیا؟

ان جاں تو ڈنی ساتوں کا

جو آئی تو ڈنی ساتوں کا

کہ کہیں دماغ کی ہیں پٹنی ہونی

خوابوں پر تبصرہ کوئی؟

ہو بھی تو بھلا کیا ہواب

کیا اندرونی خلقت اس کے ہاتھوں
سائنس سائنس سے تھکا ہوا
ہر تار سے دل کا کھینچا ہوا
وہ موسم کی دلکشی جو
قسمت میں اپنی ہی نہیں
کہ ہر قدم تھا غبارِ راہ میں اٹا ہوا
وہ لہجہ زبان و بیان کا
گرفت میں نہ اس کا
کہ سوچ بھی کئی زاویوں میں مٹی ہوئی
کہانی سنائیں کیا؟
کہ ورق ورق ہے پھٹا ہوا
وہ جو مرکز نگاہ تھا
تھارا ستوں بے پناہ ہوا
☆.....☆.....☆

دودھ جیسی سفیدی میں ہلکی گلابی نرمائیں
لیے چمکتی رنگت اور جیسے نقوش والی گول منوں کی
جو بے لاپٹہ ٹکری بہت خوبصورت فراک اور نیم
رنگ سینڈل پیپے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آئی تھی
اسے عباس اور ساجدہ اعجاز نے بہت محبت سے
اپنے پاس بلایا تھا۔
”میری شہزادی مٹی بہت پیاری لگ رہی
ہے شہزادی کو تیار کس نے کیا ہے۔“ اعجاز عباس
اسے گود میں اٹھاتے ہوئے بولے تھے۔
”سعدیہ بچو نے۔“ پانچ سالہ بچی بہت
آہستگی سے بولی تھی۔
”اب یہ کیسے پتا چلے کہ شہزادی نے جانا
کہاں ہے۔“
”میکڈولڈ۔“ وہ فوراً بولی۔
”نہیں چھوٹی مٹی آپ ”Zoo“ چلیں میں
بھی ساتھ جاؤں گا۔“
نوسالہ آذین علی فوراً آگے بڑھ کے بولا تو
اعجاز عباس اور ساجدہ ہنس دیے۔
”نمروں بیٹا ہم Zoo چلیں گے بھلا اپنے
بیٹے کا کہا ہم کیسے ٹال سکتے ہیں۔“

”نہیں ”Zoo“ اتنی دفعہ گئے ہیں۔ اٹھو
”میکڈولڈ“ چلتا ہے۔“ ہنسی میرا نے پیر پٹھے۔
”میکڈولڈ“ اگلے دیک ایئر پہ بھی اب جو
ہمارا بیٹا چاہے گا وہ ہوگا۔“
ساجدہ آذین کو پیار کرتے ہوئے بولی اور
آذین غور سے منکر پالے دیکھتے ہوئے۔
اور یہ پہلا لمحہ تھا جس نے اس کے دل کو تھما
تھا وہ معصوم سی بچی جو ہمیشہ اپنے والدین کو آذین
پر پیار اور شفقت لٹاتے دیکھ کر چپ ہو جاتی تھی۔
اس کا دل بھی سوچتا تھا ”یہ آذین علی ہمیشہ
میری جگہ پر بیٹھ کے میرے صبر کا پیار چھین لیتا
ہے یہ ایسا کیوں کرتا ہے اور چھوٹی مٹی اسے گود میں
بیٹھا کہ پیار کرتی ہیں وہ آجائے فوراً مجھے پرے
کر کے اس ناشتہ گردانا شروع کر دیتی ہیں اس
کے خرمے بھی آٹو والا پراٹھا بھی مولی والا پراٹھا
بھی ایک میکڈولڈ کی سادہ جیمز توں اور مٹی سب
پورے گھر میں وہ چھوٹی بیٹی دیکھنے جاتی۔“
ساجدہ بیگم کو دھیان آ جاتا تو کہیں۔
”مبرا تم کیوں ہاتھ چھوڑ بیٹھیں کھاؤ
ناں۔“
”مٹی آپ کھلائیں۔“ وہ لاڈ سے ٹھکتی۔
”مبرا صند نہ کیا کرو تم اب بچی نہیں رہیں
بڑی ہو چکی ہو اپنے ہاتھ سے کھایا کرو۔“ وہ
جھڑکنے والے انداز میں کہیں۔
”آذین تو مجھ سے بھی بڑا ہے اسے
کیوں کھلاتی ہیں۔“ وہ بولی
”جب رہا کرو تم بہت زبان چلنے لگی ہے
تمہاری۔“ مٹی نے اسے چھڑک دیا تھا۔
”ساجدہ“ اعجاز عباس نے بہت دجنگ لہجہ
میں گھورا تھا۔
”دیکھ نہیں رہے آپ کیسے زبان چلانے لگی
ہے۔“ وہ بولی
”یہ سب تمہاری رویے کا قصور ہے تم بچی کو
نظر انداز کر کے دوسرے بچوں کو اہمیت دیتی تو

اس کے ذہن میں ایسے سوالات جنم لیں گے۔ وہ
احساس کتری کا شکار ہوئی جائے گی۔“
”اعجاز آپ کیا کہہ رہے ہیں اسے نظر انداز
کرتی ہیں بھلا ان تین بچوں کے علاوہ اور کیا ہے
سارا دن ان ہی کے چاؤ پکچوں میں مصروف گزارتا
ہے۔“
اپنے آپ کو نظر انداز کر دیا میں نے آپ
کے لیے آپ کی بیٹیوں کے لیے۔ ایک نظر اعجاز پر
ڈالی اور بولیں۔
دل میں بیٹے کی خواہش تو ہے اب اگر یہ کی
پوری کرنے کو میں آذین یہ توجہ دیتی ہوں تو وہ
آپ کو پسند نہیں ہے۔“ وہ رونے لگی تھیں۔
اور اعجاز عباس کچھ کہہ نہ پائے تھے۔ کہ بیٹے
کی خواہش تو ان کے دل میں بھی تھی مگر یہ قدرت کا
فیصلہ تھا کہ اس نعمت سے انہیں محروم رہنا تھا۔
کیونکہ مشرہ کی پیدائش کے وقت بوجہ کمزوری
ساجدہ بیگم کو کچھ ایسا اندرونی پیچیدگی درپیش آ گئی
کہ وہ آگے کے لیے ہال بننے سے محروم ہو گئیں
اسی محرومی کو وہ اپنے جینے ارشاد عباس کے بیٹے
آذین سے محبت کر کے پورا کریں۔ ارشاد عباس
کے دواور بیٹے بھی تھے فہم اور نعمان پھر دیورانی کا
بیٹا راجیل بھی مگر آذین پر انہیں بہت ٹوٹ ک پیار
آتا تھا کہ ایک تو وہ قد کاٹھ اور محبت کے حوالہ سے
دوسرے بچوں سے اچھا تھا پھر جیسے نقوش صاف
رنگت اور حد و وجہ ذہانت جو بڑھائی کے ساتھ کھیل
گود میں بھی سب کو مات کر دیتی تھی۔ وہ سب
کا لاڈلا تھا سوائے اپنی ماں کے جو بچوں کو کھلاؤ
سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی آنکھ سے۔“ والے
مخاد لے پر گئیں میرا تھیں ان کا رویہ سب بچوں
کیساں تھا اپنے بچوں اپنی بچیوں شرہ اور سدرہ کے
ساتھ وہ سعدیہ میرا اور مشرہ کو بھی پیار کرتیں اور
مٹی کیفیت نرسن کی تھی وہ اپنے اٹھوتے بیٹے
راجیل کے ساتھ جیٹائیلوں کے بچوں کو بھی دیکھا
کرتیں۔

ناشتے لچ ڈنر یہ سب بچوں کی پسند کو مد نظر
رکھا جاتا اور سلسلہ یونہی چلتے چلتے بچن در پورش
عینہ ہو گئے مگر ایسی صفا کی سے کہ دلوں میں
فرق نہ آیا بچے سکولوں سے کالجز میں آ گئے تھے۔
آپس اتفاق و سلوک کی فضا بہت شدت سے
پردان چڑھی تھی۔ مگر دونوں کو چھوڑ کر اور وہ تھے
مبرا عباس اور آذین علی ان کے درمیان ہمیشہ ایک
نامحسوس دیوار کھڑی رہی ہر بات ہر مسئلے پر
اختلاف رائے رہتا۔ ایک دوسرے کی مخالفت کو
یہ جیسے فرض سمجھ بیٹھے تھے۔ حالانکہ اب دونوں بچے
نہ تھے۔
آذین تھرڈ ایئر کا تو وہ فرسٹ ایئر کی
سنوٹ تھی۔ لیکن دونوں میں ذرا نہ جتنی تھی سب
جساکرتے تھے ان کی تو تو میں میں پر سعدیہ اور فہم
تو باقاعدہ سمجھانے بیٹھ جایا کرتے نعمان اور شرہ
شرطیں لگاتے کہ یہ لڑائی کتنا عرصہ ان کی یوں چال
بندر لگے گی۔
☆.....☆.....☆
”بھئی کیا زندگی ہے یہ بھی ایک بورڈل
لائف اسٹائل ایک ہی انداز سے ایک جیسے شب
وروز وہی بھاگ ڈور ایک کمرے سے اٹھو
دوسرے میں کھس جاؤ وہاں سے اٹھو تو لان میں
لان سے نکلو تو کالج کوئی نیا احساس نہ تازگی کا
جھونکا یہ ڈیڑی لوگوں کو بھی کیا سوچھی سب بھائی
ایک ہی جگہ کھس کہ بیٹھ گئے۔ بھلا الگ الگ۔
شہروں میں الگ جگہوں پر رہتے حیدرآباد پر ملنے
ملانے آتے جاتے۔ لوگوں کی کتنی لمبی رشتے
داریاں ہوتی ہیں ہماری یہ عباس والا کے اندر تک
مجدد ہیں۔“
وہ حاسفانہ انداز میں کہتی صوفیہ پر گہری تو
سعدیہ ہنس پڑی۔
”مبرا بی بی ان لمبی رشتے دار یوں سے
سب سے پہلے تم اکٹائی جب وقت بے وقت
بچن میں گئے کھانے بنانے پڑتے وہ بھی لے

چوڑے میوہ والے پھرم کہیں نہیں زندگی وہی اچھی ہے جو بندہ اکیلے گزارتا ہے۔
 ”اتنا اکیلا، اکیلا بھی نہ ہو انسان جتنے ہم ہیں۔“

”اکیلا، کیوں، ماشاء اللہ بھرا ہوا گھر ہے تم ہر بات بنا سوچے سمجھے منہ سے نکال لیا کرو عقل تو ہر وقت جیسے گھاس چرنے کی رشتی ہے۔“ مٹی اسے گھورتے ہوئے بولی۔

”افوہ مٹی آپ کو تو بس بھانہ چاہئے مجھے ڈانٹنے کا اب انسان کچھ کہہ بھی نہ سکے۔“

”تمہاری زبان تو بلا وجہ کہے جاتی ہے اب کم آتی جاتی ہو تم باہر گھر سے اکیڈمی پھر کالج، پھر چچی کے ہاں سب اگلی ہو کے اس کا دماغ چاقی ہو میرے بھانے پورے لاہور کا چکر لگاتی ہو روزانہ پچھو شہر سے باہر ہے وہاں کوئی اور جائے نہ جائے تم مینے دو مینے بعد وہاں بھی ہو آتی ہو۔“

مٹی بولیں۔ ”اور جو بے وجہ بے نیکی وقت بے وقت اول جلوس قسم کی سبیلوں کے گھر گھر بھر کے پکڑے ہوئے ہیں وہ کسی شاعر کا نہیں۔“ آؤں نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

”تم کیوں بند کرو تم سے بات نہیں کر رہی میں۔“ وہ غرائی۔

”میرا تم سے کام لو، پورے چار سال بڑا ہے تم سے۔“ مٹی نے گھر کا۔

”اور عقل ایک سال کی بڑائی والی بھی نہیں۔“ وہ بڑبڑائی۔

”ہاں عقل تو ساری جیسے تم سے ہی ادھاری ہوئی ہے جیسے ابھی تک حج تفریق کے سوال تک حل کرنے نہ آئے میں تو یہ نہیں سمجھ پاتا کہ تم ریاضی میں صفر بنا صفر ہونے کے باوجود میٹرک کلیئر کیسے کر گئیں وہ بھی پہلی بار میں۔“ وہ مسکراہٹ جاتا ہوا بولا۔

”تمہاری طرح پرچیوں (بونیوں) کا استعمال، کما تھا۔“ وہ جل کر بولی۔

”اوہ اسی لیے، میں بھی کہوں تم جیسے بکری اور بکرے کی تمیز و تفریق کا علم نہیں وہ انبیر اور چوہ میٹری کیسے کر آئی۔“ وہ اسے مزید سلگا گیا۔

”بس کرو اب تم خبردار جو تم لڑے کیا بچوں کی طرح تم لوگ ہر وقت چوٹیں لڑاتے رہتے ہو۔“ چچی سرس بولیں۔

”یہ عادت تو آپ کی لاؤ بچہ کی ہے۔“ آؤں فوراً بولا۔

”ہندو ہو گئے تم بلکہ یہودی اور پارسی بھی، دیکھ ہی ہیں آپ کا لاڈلا کیسے زبان کے جوہر دکھاتا ہے اور آپ پھر مجھے تیز کے درس دیتی ہیں۔“ وہ اسے جواب دیتی ہوئی سادہ کی طرف مڑی۔

”آؤں شرم کیا کرو تم بھی بہن ہے تمہاری اور بہنوں سے من ماری نہیں کیا کرتے۔“ آؤں کی والدہ نے ٹوکا۔

”اللہ نے دی ہوئی ہیں مجھے بہنیں اس کٹ کھٹی ملی کو بہن بنانے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”ارے جاؤ تمہیں بھائی پتا کون رہا ہے۔“ وہ اس قابل تم۔“ وہ استہزا بولی۔

”تو جس قابل ہوں وہ بتاؤ۔“ وہ لوغزانہ انداز میں دلائل آکھ دیا کر بولا۔

”تم صرف اس مرحمت کے قابل ہو جو کسی دن میرے جوئے تمہاری کریں گے۔“

”اور وہ پاؤں تمہیں نصیب ہی نہ ہوں جو ایسے جوتے نہیں۔“

”مجھے سب نصیب ہوگا تمہیں صرف جہنم نصیب ہوگی۔“

”تمہارے منہ میں خاک کم بخت بولنے پر آگے تو بس بولتی جائے گی بتاؤ کہ۔“ سادہ نے ایک زوردار دھوکا اس کی کمر میں رسید کیا اور وہ تم آنکھیں لیے۔ اسے گھورتی ہوئی بولی تھی۔

”اور اس کی گلے پڑھتی زبان آپ کو نظر نہیں آ رہی وہ تو کب سے جیسے تلاوت کر رہا

ہے۔“ اس کے انداز لہجہ اور الفاظ یہ سب بے طرح بننے لگے۔

”ہاں اس کی بات کو یونہی کرنا دل دیا کریں، اور میری بات کو چڑھایا جاتا ہے میں تو ہوں ہی احق اور بیوقوف جس کا جو دل چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔“

”اب تم اپنی زبان سے اپنی خصوصیات بیان کر رہی ہو کوئی اور کہے تو۔“

”شت اب تم میری بات میں مت بولا کرو۔“ اس نے ٹھوکر کے آؤں کو دیکھا۔

”تو تم میری بات مت کیا کرو۔“ وہ مزے سے بولا۔

”تمہیں خود ہی ہر بات کو خود پر لینے کی بیماری ہے تو کوئی کیا کرے“ وہ چڑھے کے بولی۔

”پلیز سیز فائر بس کرو، کتنا بولتے ہو تم دونوں ایمان سے سرزد کرنے لگے۔“ جانے کیا کھایا ہوا ہے یہ چند نفوس پڑے بیٹھا تھا مگر اس نے نہ دیکھا کہ وہاں لوگوں نے ہر وقت ہاڈ جگ کھولے رکھتے ہوئے، فہیم بھیا انہیں ڈانٹتے ہوئے اٹھے۔ تو وہ دونوں جل سے ہو کر چپ ہو گئے۔

”سعدیہ پار ایک بات بتاؤ یہ لولیز کیسے لکھا جاتا ہے۔“ اس کی دوست تمہین نے ٹوکس بتاتے ہوئے اچانک پوچھا تھا۔

”I don't no“ کبھی لکھا نہ پڑھا۔“ اس نے شانے اچکائے۔

”کیسی لڑکی ہو تم جیسے یہ معلوم نہیں کہ لولیز کیسے لکھا جاتا ہے۔“

”مائے دادے تمہیں ضرورت کیا پڑ گئی لولیز لکھنے کی۔“ سعدیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”ضرورت کیا یونہی پوچھ رہی ہوں جنرل ناٹا میں اضافہ کو اور تم ہو کہ بتاتی نہیں۔“

”مجھے معلوم ہو کچھ تو بتاؤں نہ بھی لولیز لکھنے کی نوبت آئی نہ پڑھنے کی۔“

”اپنے کمرن سے اٹھو ہو تم اور تمہیں لولیز لکھنے کا پتا نہیں۔“

”اٹھو ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ لولیز لکھنے آجائیں۔ ویسے بھی ہم اس موضوع پر بات نہیں کرتے ہماری براہ راست بات چپ ہو جاتی ہے اور ہم اکثر ملتے رہتے ہیں کوئی ظالم سماج کا مسئلہ نہیں ہے ہمارے ساتھ اگر ملنے بولنے میں دشواری ہو یا ہم بہت دھواں دھار قسم کی محبت میں جھلا ہوں تو شاید لولیز کی ضرورت ہوئی اور جب ایسا کچھ ہے ہی نہیں تو یہ محبت بھرے خطوط لکھنا چہ معنی دارد۔“

”کم آن سعدیہ تم اٹھو ہو اپنے کمرن سے بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہو پھر بھی تم لوگوں کے درمیان محبت کے جراثیم ڈھیلپ انہیں ہوئے امیزنگ۔“ تمہین حیرت سے بولی۔

”اٹھو ہونے کا یہ مطلب نہیں لولیز لکھنے شروع ہو جائیں۔ ہمارے درمیان اچھی انداز اسٹیڈنگ ہے، فریڈ شپ ہے ہم سب کے سامنے ملتے ہیں اور ایک دوسرے کی دلچسپیوں مصروفیات کے متعلق پوچھتے ہیں۔ رہا محبت کا سوال تو وہ ابھی دور ہے ہماری زندگی جب مکمل سچائی اور ایمانداری سے ایک اٹھو رشتے کو شرعی و قانونی طور پر منظور ہے۔ کا درس دے گی۔ تو محبت کے جذبات ڈھیلپ ہو سکتے ہیں کہ محبت انسان ایک دوسرے کے قریب رہ کر عادتوں کو سمجھ کر، روپوں کو جان کر ہی کرتا ہے۔“ سعدیہ سنجیدگی سے بولتی تھی۔

”Very Good“ تم واقعی ایک باشعور اور سلجھی ہوئی لڑکی ہو مگر مسئلہ یہ ہے کہ جس لڑکی کو ”لولیز“ لکھنے کا مسئلہ درپیش ہے وہ لوگ کلاس سے تعلق رکھتی ہے اور اسے ہمینہ ہو گیا میرے ترے میں پاتے لولیز لکھوانے کو، اور میں کبھی غصے سے بھی نرمی سے ڈانٹ دیتی ہوں۔“ تمہین آہ بھر کر بولی۔

”کس لڑکی کی بات کر رہی ہوں۔“

ہماری گھریلو ملازمہ گلشن وہ محبت کے مرض میں بڑی شدت سے مبتلا ہے۔ اور اس کے لور کا اصرار ہے کہ وہ اسے ایک جذبول شدتوں سے بھرا محبت بھرا خط لکھے۔ جبکہ وہ جتنی ان پڑھ اب وہ میرے پیچھے بڑی رہتی ہے تم ہی بتاؤ کیا کیوں مجھے معلوم نہیں تو لیٹر کیسے کیسے ہیں۔

”تو تم نہ لکھو ایک زوردار جھڑکی دو اور کام سے ہٹانے کی دھمکی وہ خود بخود اس عشق کے جھاگ سے نکل آئے گی۔“ سعدیہ نے مشورہ دیا۔ ”یہی تو نہیں کر سکتی تم نہیں جانتیں کل صبح اس نے بڑی مسکینی اور عاجزی سے میرے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا تھا جی بی بی بڑے دل سے سچی دعا دے رہی ہوں کہ رب سوہنا آپ کو اچا لبا گورا چٹا پڑھا لکھا سوتلی بڑی گاڑی والا شوہر دے۔ آپ میرا یہ کام کر دیں ورنہ میرا شیدا تو مجھے چھوڑ جائے گا نا افسوس ہو کے۔“

”اب تم بتاؤ ایک گورے چنے اونچے لمبے گاڑی والے کو ایسا عزیز ہم سفر کی دعا سن کر میں کیسے اس کا کام نہ کروں جبکہ تم جانتی ہو کہ مجھے شادی کا وہ بھی اچھے ہنڈسم امید بندے سے کتنا شوق ہے۔ کیا پتا گلشن بی بی کی یہ دعا منظوری پائے اور میں بڑی خوبصورت، مہنگی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوں اور اس کے محض ایک لیٹر لکھ کر دینا کون سا مشکل کام ہے۔“ تمہینہ نے ساری رام کھانسانی۔

”عجب احسن لڑکی ہو شادی کی دعا کے محض لیٹر لکھ کر دیتے پر راضی ہو گئیں۔“ سعدیہ ہنستے ہوئے بولی۔

”تم بس نئے جانا میرا کام نہ کرنا۔“ وہ منہ بنا کے بولی۔

”سعدیہ آپنی چائے حاضر ہے۔“ مبرا اندر آئی تھی۔

”اسے کہتے ہیں زندگی کا مزہ گرما گرم

چائے اور فائنٹ ایک عدد لیٹر لکھ کر دینا کہ میری مشکل آسان ہو۔“ تمہینہ چائے دیکھ کر کھل اٹھی تھی۔

”کیسا لویٹر تمہینہ آپنی۔“ مبرا نے چونک کر پوچھا تھا۔

مجھے محبت کے جنوبی طوفانی جملوں سے بھرا محبت سے بھر پور ایک عدد لیٹر چاہیے۔ اگر یہ لیٹر نہ لکھ کر دیا گیا تو وہ دل ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے۔

وہ گہری سانس لینے ہوئے بولی۔

”کون سے دو دل۔“ مبرا نے اگلا سوال داغا۔

ہماری نو خیز گھریلو ملازمہ گلشن اور اس کے اکلوتے عاشق شیر کے دل جو محض ایک لیٹر ملا دے گا۔

”مبرا تم جاؤ اپنا کام کر دینا تو یونہی کو اس کرتی ہے۔“ سعدیہ نے اسے اٹھانا چاہا۔

”تم خاموش رہو مجھے بات کرنے دو، مبرا تم تو اظہار میں مودیز بہت دیکھتی ہو ان میں اکثر ہیرو، ہیروئنز ایک دوسرے کو لیٹر لکھتے ہیں۔ یاد تم ہی میری مدد کرو۔“ وہ اب مبرا کو گھیر چکی تھی۔

”ہاں ابھی برسوں ہی تو میں نے عامر خان اور جوی چاولہ کی فلم دیکھی ہے جس میں عامر خان نے ایسا پھر کتا لیٹر لکھا تھا کہ جوی چاولہ آگ پر چلتی ہوئی اسے ملے آگئی۔“ مبرا پر جوش انداز میں بولی۔

”مذمت مسئلہ ہی حل ہو گیا ایسا کر دو تم وہ فلم ایک بار پھر دیکھو اور وہ سارا لیٹر نوٹ کر کے مجھے دے دو۔“ تمہینہ تیزی سے بولی تو سعدیہ نے فوراً ٹوکا۔

”مبرا یہ کام نہیں کرے گی مبرا اسے فلم دے دو یہ خود کرے گی جو کرنا ہے۔“ اور مبرا اس پر کمر بستہ ہو گئی۔ مگر جاتے جاتے تمہینہ چپکے سے اسے

کام پھر سوچ گئی۔

☆.....☆.....☆

جذبول سے حدت زدہ آنکھوں میں یارہنگی خواب کی پلکوں میں دل کی سنہری جالیوں میں کہ کانوں کی ضد میں بالیوں میں لکیروں میں ہاتھوں کی کہ پوروں میں انگلیوں کی دھڑکن میں سانس میں سینے میں کروں میں جب سے چاہا ہے تم کو جب سے میں دیکھ رہی ہوں خود کو اور سوچ رہی ہوں کہ تم

”زندگی میں میری کہاں کہاں پر ہو؟“

”واہ، واہ زبردست اگر کسی اور نے یہ نظم لکھی ہے تو واقعی قابل تعریف ہے اگر تمہاری ذاتی کاوش ہے تو زری فتنے منہ سوچ ہے۔ شرم آتی چائے تمہیں ایسی باتیں سوچتے پھر سرعام کہتے لگتے۔“ شمرہ منہ بنا کے بولی۔

”یہ سب میں نے نہیں ایک شاعرہ نے کہا ہے۔“ مبرا اسے گھورتے ہوئے بولی۔

”وہ تو اچھی شاعرہ ہے اور تم کیا ہونا لائق نکلی سٹوڈنٹ مر کے میٹرک میں اتنے نمبر لیے کہ کالج میں انڈیشن ہو سکے اور کالج کلاسز شارٹ ہو گئیں تو صاحبزادی بجائے کورس بس کے شاعری سے فخر فرما رہی ہیں مبرا تم میریں لوائے کیرئیر کو اسٹوڈنٹ مذاق نہیں ہوتیں۔“ ساجدہ نے ٹھہر کا۔

”میں کب مذاق کہہ رہی ہوں پڑھائی کا بھی ہار تم ہوتا ہے اور انجوائے منٹ کا بھی۔“

”تمہارا تو ہر نام ہی انجوائے منٹ کا ہوتا ہے میری چچی، بی بی، کیل، بی بی ڈی بی بی کیرم پور ڈی پڑھائی وہ سچ میں کہیں کہیں آ جاتی ہے خالی جگہ پر کر کے کو۔“

”ارے بھابی کیوں دماغ کھپائی کرتی

ہیں۔ اس عمر میں لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔“ نسرین چچی بولی۔

”ایک سہی زماں ہے ورنہ اس گھر میں دوسری لڑکیاں نہیں ہیں کیا؟ انہوں نے بھی اسٹوڈنٹ اور دیگر Atctivities کو بچ کر رکھا ہے یہ کیوں نہیں کر پائی۔“

”اگر یہ سہی پڑھا کر لڑکیوں کے نقش قدم پر چلتے گی تو پھر یہ کون یار رکھے گا کہ شاہ رخ کی سی آنے والی فلم کون سی ہے۔ سلمان کا تازہ ترین معاشرہ کس اداکارہ سے چل رہا ہے۔ حدیثہ کیانی کا نا اہلم کیسا رہا اور ہالی وڈ کی مودی نے آسکر ایوارڈ حاصل کیا۔“

”آؤ ذین لاؤنچ میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔“

”اپنا تو جیسے علم نہیں سوائے کرکٹ کھیلنے کلب جم جانے کے سوا کچھ یاد نہیں رہتا۔“ وہ جل کر بولی۔

”دیکھ لیں چھوٹی امی زبان کیسے چلتی ہے اور کیسی مہارت ہے اسے لڑنے میں یہ کام تو بنا کے کر لیتی ہے۔“ وہ ساجدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”کیا پیچھے پڑے ہوئے ہوں لوگ میری بیٹی کے نسیم چن سے بولی۔

”بڑی امی سمجھائیں اپنے اس بد تمیز بیٹے کو میرے منہ نہ لگا کرے۔“ مبرا اوپنی آواز میں بولی۔

”اور اپنی اس کٹ کھٹی بیٹی کو بھی سمجھا دیں کہ اپنے اطوار ابھی سے سدھار لے ورنہ اگلے جا کر جوتے پڑیں گے۔“ آؤ ذین نے کہا۔

”میری بیٹی کو سب سر آنکھوں پر بیٹھائیں گے اتنی خوبصورت ہے خدا اس کے نصیب اچھے کرے۔“ وہ پیار سے بولیں۔

”ارے بولی ماں خوبصورت تو سینہ قادری

گھینہ بھی ہے مگر اپنے کرتوتوں کی بنا پر دوسرے

میں نے ہی طلاق لے کر آگئی۔“ آذین بولا تو ساجدہ نے کچھ محل کر اپنی عمر خوبصورت بنی کو دیکھا۔
”خدا نہ کرے ایسا دیا کچھ ہو میری بیٹی کو رب سوہنا ہر خوشی دیکھ اور اچھا گھر بار دے۔“ کچھ بھی خاموشی تو ان کی بیٹی اور وہ ڈانٹ ڈپٹ تو سکتی تھیں مگر ایسی بات سننا ہر گز گوارہ نہ تھا۔

”آمین اور تم بھی بولتے ہوئے اپنی زبان کو ذرا کشنوں رکھا کرو۔“
نسرین چچی ڈپٹے والے انداز میں بولیں انہیں خود آذین کے الفاظ برے لگے تھے اپنی اس حمایت پر وہ بہت دل کھول کر ہنستے ہوئے اسی کے گلے لگی تو ساجدہ نے شفقت سے اس کی روشنی پیشانی چوڑی اور آذین کو یہ بھی کب گوارہ تھی وہ اب میرا کوہنچا دکھانے کے لیے اس کی کسی کمزوری کی تلاش میں تھا اور یہ کمزوری جلد ہی ہاتھ لگ گئی۔

☆.....☆.....☆

میری جان میرے دل اور دھڑکیوں کے مالک و ہمارا۔

رشید عرف شیدے!

سلام محبت پیارے شیدے تمہارے بے حد اصرار پر خط لکھ تو رہی ہوں مگر کچھ میں نہیں آتا کہ اس کا غد کے بے جان کٹوے پر اپنے جذبات و محبت کا اظہار کیسے کروں، وہ محبت وہ پیار جو صرف اور صرف تمہارے لیے میرے دل میرے سانسوں میں ہے اور یہ پیار ہر لمحہ تمہیں سوچتے دیکھنے اور پانے یہ اصرار کرتا ہے مگر ہائے یہ مجبوری اور عالم ساج کی دیواریں جو ذرا سی، دھمکانی اور روکتی ہیں مگر پیارے شیدے تمہارے پیار کو میرے دل سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں نکال سکتی بے شک تم آزما کے دیکھو ایک دفعہ آواز دو میں ہر رشتہ ہر بندھن اور دنیا کے سب لہرے توڑ کر تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں بخدا تمہاری محبت

کے سوا مجھے دنیا کی کوئی دولت کوئی رشتہ نہیں چاہیے شیدے میں خواہوں میں نہیں حقیقت میں تمہارے ساتھ مرنا چاہتا چاہتی ہوں شیدے تم نہیں جانتے مجھے تم سے کتنی محبت ہے جتنی کہ شاید سوچتی ہو بیٹیاں اور ہیر کو رائیجے سے بھی نہ ملے، جگ آزا بول۔
تمہاری اور صرف تمہاری.....

وہ نام لکھنے لگی تھی کہ پیچھے سے بڑی تیزی سے ایک مردانہ ہاتھ آیا اور وہ کاغذ ٹکڑوں میں ٹکا ہوں سے اوچھل ہو گیا وہ حیرت سے اچھل کے مڑی تھی اور دوسرے لمبے اس کے چہرے پر خوف اور دہشت چھا گئی تھی۔ آذین اس لو لپٹر پر نظریں ڈور اتے ہوئے ساتھ ساتھ اسے بھی دیکھ رہا تھا۔
”ہوں تو یہ وجہ ہے اسی لیے پڑھائی میں تمہارا دل نہیں لگتا دل غلط راہ پر جو لگا ہوا ہے۔“ اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔

”آذین تم اسے مجھے دے دو تم دیکھو تم غلط سمجھ رہے ہو تمہیں نہیں پتا یہ کیا ہے۔“ وہ بے چارگی سے بولی۔

”یہ لو لپٹر ہے جو تم نے اپنے لور کو لکھا ہے اور باقی غلط سلط سب چھوٹی ای کو بتا کیونکہ یہ خط ان کی عدالت میں پیش ہوگا۔“ وہ کاغذ نیچے جیب میں رکھنے لگا۔

”نہیں آذین پلیز ایسا مت کرنا۔ تم بہت اچھے ہو۔“ وہ منت بھرے انداز میں بولی۔
”میں واقعی بہت اچھا ہوں اسی لیے اس گھر کی عزت کو ملٹی میں رکنے سے پہلے پچانا چاہتا ہوں۔“ وہ استہزائیز انداز میں بولا۔

”دیکھو آذین تم سمجھے نہیں مسئلہ کیا ہے تم اسے مجھے دے دو میں ساری بات تمہیں بتاتی ہوں۔“ وہ باقاعدہ رونے والی ہوئی۔

”میں سب کچھ چکا ہوں۔ اب صرف تمہیں سمجھانے کی ضرورت ہے۔“ وہ بہت غصیلے جتنے میں کہتے ہوا مڑا اور اس کمرے سے لٹکا چلا گیا مبرا کو یکدم اپنے اندر بے بسی کا دھواں پھیلتا

محسب ہوا۔

آج تو سجدہ یہ آتی بھی یہاں نہیں ہیں۔ وہ اپنی فریڈ کی شادی میں گئی ہوئی تھی سجدہ کے ساتھ میری صفائی کون دے گا۔“

وہ سوچتے ہی گئی کے کمرے کی جانب بھاگی تھی مگر کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

”یہ بھی کا کمرہ لاکڈ کیوں ہے۔“ وہ پاس سے گزرتی بشرہ سے پوچھنے لگی۔

”ابھی آذین بھائی ان کے پاس گئے ہیں کوئی ضروری بات کرنے کی تھی نے خود کمرہ بند کیا ہے تاکہ انہیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔“ بشرہ نے کہا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھٹکھٹا کر بی بی اور نسرین چچی کے لیے پھر بند ہو گیا وہ بے چینی سے ہونٹ کانٹنے پریشان نگاہوں سے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے مٹی سے موبائل پر رابطہ کرنے لگی مگر ان کا موبائل آف تھا۔

میرا کے وجود میں ڈر خوف لگتی اور بی بی ایک ساتھ سرایت کرنے لگی اسے اب سمجھ آیا تھا کہ سجدہ نے اسے تہینہ کو لو لپٹر کیجہ کر دینے سے کیوں منع کیا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا مگر اسے اندر داخل ہوتے ہوئے یوں لگا جیسے ہر شے کو گہرے سیاہ اندھیرے نے ڈھانپ لیا ہے سب کی نگاہیں اس کی جانب تھیں اور ان نگاہوں میں طامت ٹھٹھیک بے چینی و یقین کے ساتھ اعتبار ٹوٹنے کی کیفیت بھی تھی۔

”میرا یہ لو لپٹر تم نے لکھا ہے۔“ ساجدہ جگمگ کا لہجہ بے حد سرد اور تنیدہ تھا۔

”جی یقین کریں میں.....“

”میں پوچھ رہی ہوں اسے تم نے لکھا ہے تمہاری لکھائی ہے ناں۔“ وہ پہلے سے زیادہ سخت اور ٹھنڈے لہجے میں بولیں۔

”جی میں نے لکھا ہے۔“ وہ مجرمانہ انداز میں سر جھکاتے ہوئے بولیں۔

”ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم ایسی غلط حرکت مرکب ہو سکتی ہو اسی لیے پہلے سب نے تمہاری چند رائیج کی تصدیق کی اور یہ تصدیق ہو گئی تو.....“

”بے شک یہ چند رائیج میری ہے مگر.....“

وہ تمام ہتسہل متح کر تے ہوئے بولی۔

اس کی عمر تو دیکھیں چھوٹی تھی۔ ابھی دودھ کے دانت ٹوٹے نہیں اس کے آگے تو ماشاء اللہ۔“

آذین کا استہزائیز لہجہ ابھرا۔

”جب یہ خط میرے دوستوں نے پڑھا اور مجھے چھڑا تو یقین جانیں کہ میں سوچ رہا تھا زمین پھٹے اور میں اس میں ساجاؤں۔“

وہ بولا جا رہا تھا اور مٹی اسے کھسا جانے والی نگاہوں سے بس ٹھہرتی جا رہی تھی جس وہ کہنا چاہتی تھی کہ بوا اس کرتا ہے یہ سب میرے ہاتھ سے ابھی ابھی پچھن کر لایا ہے اور میں نے یہ خط لکھا بھی تہینہ کے کہنے پر اس کے لیے ہے۔ مگر مٹی کے بے در پے پڑنے والے زور و دار ہاتھوں نے اس کا دماغ ٹکڑوں میں ٹھکڑا دیا تاکہ ہونٹ کمر سرگردن ہاتھ وہ جوتے سے مسلسل اس کی چٹائی کر رہی تھیں بڑی امی اور چچی نے بمشکل چھڑایا تھا اور تب تک وہ ابھی بھلی زخمی ہو چکی تھی۔

”کیا نہیں کیا میں نے ان کے سیکھ خوشی اور آرام کی خاطر ابھی بھلی گورنمنٹ کی جانب بھی مگر اسے گھر اور بچوں کو ترجیح دے کر ان کی بہتر تربیت اور بہتر نشوونما کے لیے چھوڑ دی بہترین لباس و خوراک کے ساتھ اچھے بستے تعلیمی اداروں میں ایڈمشن دلوائے جو مانگا دیا اور یہ اولاد مجھے کیا دے رہی ہے؟“ وہ بے ساختہ دودھیا۔

”اور یہ لڑکی تو جب سے پیدا ہوئی ہے سوائے میری مشکلات بڑھانے اور پریشانیاں پیدا کرنے کے اس نے اور کچھ نہیں کیا۔ کیوں پیدا ہوئی پیدا ہوتے ہی مرکیوں نہیں گئی۔ کیوں مجھے

دکھ دیئے کورہ گئی۔“

ساجدہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے رونے لگی تھی۔

”بس کر ساجو پاگل ہوئی ہے کیا جو ہو گیا منی ڈالو اور گھر کے مردوں تک یہ بات کی طور پر پہنچے دو“ نسیم اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

”بھائی کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا مجھے اس غلی اولاد نے۔“ وہ سسکیں مبرا کا عجیب حال تھا وہ سارے بیٹی بیٹی چلی لگا ہوں سے بس دیکھ جا رہی تھی۔

”دیکھیں کیا حوصلہ ہے اس کا کتنے جگرے سے بیٹی ہے ارے بے غیرت بد ذات تو مرکیوں نہیں گئی ایسا کرنے سے پہلے کیوں تجھے عزت سونپنا اس نہیں آیا۔“ وہ آنکھ کر ایک بار پھر اسے پہننے لگی تھیں۔

مبرا مار کھاتے ہوئے ان کا دوا بلاسن رہی تھی۔

”بھائی پلیز چھوڑیں دفع کریں جان سے ماریں گی کیا۔“ نسرین چچی اور نسیم بیگم نے پھر اسے جھڑایا اور کمرے سے جانے کا اشارہ کیا اور اس کی سارے آنکھیں می کو دیکھتے ہوئے جیسے خواب میں تھیں اسے روٹا آ رہا تھا نہ درد ہو رہا تھا اس کی خیالات جیسے ناکردہ جرم کے احساس تلے دفن ہو چکی تھیں۔

نسیم بیگم کی بہن بچا تھیں انہوں نے کسی بچی کو اپنے ہاں بچوانے کا کہا تھا۔ تو سدرہ اور سجدہ شادی سے واپسی پر سیدھی کو سونپ چلی گئیں اس کی مصیبت سچائی کو کوئی دینے کو کوئی نہ تھا پاس۔

زندگی کے تمام درد و آوازے ایک دم سے اس پر بند ہو گئے تھے۔ کالج اکیڈمی سب بند تھا وہ سارا وقت اپنے کمرے میں پچائی کے مجرم کی مانند بند رہتی کوئی اس سے کچھ سننے پر تیار تھا نہ ماننے یہ کوئی کچھ کہتا بھی نہ تھا کتنی عجیب بات تھی اس نے اپنی

زندگی سے خوشی کو خارج کیا کسی اور کے لیے کسی اور کی محبت کے لیے وہ محبت جو اس کی زندگی میں کہیں بھی ہی نہیں اسے بدنام گئی تھی اور یہ سب آذین علی کا کیا دھرا تھا یہ شخص بچپن سے اس کی چڑ اور ضد بنا ہوا تھا ہوش سنبھالنے سے لے کر ایک ہر جگہ ہر مقام پر مہرانے اسے اپنے جھگڑے کی خوشیاں وصولتے اور دکھ اس کی جھولی میں ڈالتے دیکھا تھا اور اب وہ اس کی زندگی بھر کا اتنا بڑا انداز کر گیا تھا یوں کہ وہ احتجاج بھی نہ بلند کر پائی اسے آذین علی سے شدید ترین نفرت محسوس ہوئی۔

”خدا کرے تجھے زندگی میں کبھی سکھ نہ ملے اس نے دکھ دل سے بد دعا کی تھی دور ہوئی تھی وہ سب سے اس ایک شخص کی بدولت اس کا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب اپنے کمرے تک محدود ہو چکا تھا شرہ اور بشرہ اس کے پاس بیٹھیں باتیں کرتیں بڑی امی اور چچی روز آتیں بڑے اما اور ڈیڈی

سب کے روئے وہی تھے بدنی تھیں تو نمی وہ اس کا خطاب نہیں کرتی تھیں۔ اس کی طرف دیکھتے سے بھی گریز کرتی تھیں ان کی طبیعت خراب تھی مبرا بہت ہمت کر کے ان کے کمرے میں گئی تو وہ دوا کھا کے لیٹی ہوئی تھیں۔ سستا ہوا چہرہ اور پہلے سے قدرے کمزور وجود مبرا کو دکھ سا ہوا جانے انجانے اس کی حرکت نے ہی می کو بیمار کیا تھا جانے کیا سوچتی ہوگی اس کے حلق آسوس اس کی پلکوں کا بند توڑ کے ٹٹکے اور وہ می کے پاؤں پکڑ کے ان پر سر رکھ کے زار و قطار روئی چلی گئی۔

”مبرا تم ہو کیا ہوا بیٹی۔“ ساجدہ تڑپ کے اٹھیں تھیں تو آخر ماں بھی بیٹی کے آنسو اندر تک ہلا گئے۔

”می پلیز مجھے معاف کر دیں میں نے کچھ نہیں کیا میں بالکل بے گناہ ہوں۔“ وہ سسکتے ہوئے بولی۔

”مجھے معلوم ہے سچ کیا ہے تمہیں صفائیاں دینے کی ضرورت نہیں گناہ تمہارا نہیں مبرا قصور وار

تو میں ہوں کہ جس نے بیٹیاں پیدا کر لیں مگر ان کی تربیت نہ کر کی میں ہی اصل مجرم ہوں کیونکہ حدیث نبوی ہے کہ ”جس شخص نے دو بیٹیوں کی نشو و نما تعلیم و تربیت تک اور احسن طور پر کی یہاں تک کہ وہ بیاہ دی گئیں اور پاکیزہ اطوار ہیں تو ان کے والدین جنت کے حقدار ہونگے کیونکہ ایک بیٹیاں جنت کے راستوں کا نشان اور والدین جنت کو واجب کردیئے والی ہیں مگر تم نے تو میرے لیے دوزخ خرید مبرا“ وہ پھر سے رونے لگیں۔

”مبرا چپ سجدہ بنا پلکیں جھکائے انہیں دیکھے گی اس کے پاس کہے کو جیسے کچھ بھی نہ بچا تھا بے انتہا بے انتہا دکھ کے حشر میں وہ سارے کتنی تھی۔

☆.....☆.....☆

کوئٹہ سے واپسی پر سجدہ کو یہ سب معلوم ہوا تو اس کے سر پر جیسے سات آسمان آکر رہے تھے۔ وہ حیرت کی فوادلی سے کتنی دیروں نہ پائی اس زمین میں سارے سا ہوا۔

”گلشن شیدا تھیندہ اوہ گاؤ وہ مائے پر ہاتھ مارتی خط می کے دامن میں پھینک کر مبرا کے پاس بھاگی تھی۔“

”بیوقوف احمق لڑکی جب میں نے تمہیں منع کیا تھا تو تمہیں کیا ضرورت تھی یہ بلا اپنے سر ڈالنے کی اب دیکھ لیا پرانی بدردی کا نتیجہ۔“ غصے سے اس کے مبرا کو پھینچ مارا تھا۔

”آئی مجھے کیا معلوم تھا وہ کہنے اس بات کو پالے گا اور یوں اچھالے گا میں تو تہینہ کے کہنے پر۔“ وہ روتے ہوئے بولی۔

”پھر وہی بات تہینہ اگر تمہیں کون نہیں میں چھلانگ لگانے کو کہے گی تو کیا تم لگا لو گی۔ انسان کو خود سوچنا چاہیے کہ اس کے حق میں کیا برا ہے کیا بھلا تم نے اپنے اوپر زندگی کے دروازے خود بند کیے ہیں۔ اب ہٹاؤ میں کس کس کو صفائیاں دوں

تمہاری اگر سب کچھ بتا دوں تو میری دوستی پر حرف آئے گا مجھے تمہین سے سب تعلقات توڑنے پڑیں گے چپ رہوں تو تم قصور وار بنتی ہو یا سوچے مجھے کھائی میں گرنے والے تم جیسے لوگ ہوتے ہیں جو گرتے سے دوسروں کو بھی کھینچ لیتے ہیں۔“ وہ غصے سے بولتی گئی۔

”آئی پلیز میری تواضع نہ بھی رک گئی ہے میرا کیریر داؤ پر لگ چکا ہے۔“ وہ سسکی۔

”چپ کرو اب میں سوچتی ہوں کیا کرنا ہے آج۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ پھر می کو جس طرح سجدہ نے کونٹیں کیا وہی جاتی تھی کچھ سننے ماننے کو تیار نہ تھیں۔

”می یقین جانتیں جو کچھ ہوا یہ سب اک غلط فیصلی کی بنیاد ہے مبرا بالکل بے قصور ہے۔“

”ہیڈا کینگ اس کی ہے غلط نہیں کسی ہے۔“ ”یہ وقت بتائے گا مبرا کی سچائی قدرت ظاہر کرے گی لیکن آپ ماں ہے آپ کو اپنے خون پر یقین ہے تو جان لیں کہ خط مبرا نے لکھا ہے مگر اس کے باوجود نہ کو وہ کسی سے محبت کرتی ہے اور نہ کسی سے لیلیز کا رابطہ ہے اس سے یہ خط لکھوایا تھا۔ کسی اور نے کسی اور کے لیے اور وہ کون ہے یہ مبرا بھی بتا نہیں سکتی۔“

”اس نے کہا ہی گھر کے سنادی اور تم نے یقین کر لیا۔ اگر وہ بے قصور ہے تو بتائے کہ کس نے لکھوایا کیوں اور کس کے لیے۔“

”ساجدہ تم بھی بے کا بحث چھوڑ دو بیٹی ٹھیک ہوگی۔ ہو سکتا ہے کسی بیٹی کا معاملہ ہو۔“ نسیم بیگم نے کہا۔

”تو سبلی مر گئی کیا۔“ انہیں غصہ آیا۔

”می پلیز جو ہوا منی ڈالیں آسجدہ ایسا کبھی نہ ہوگا آپ مبرا کی اسٹڈیز تو نہ روکیں۔“ ”پہلے کیا کارنامہ انجام دیا ہے اس نے مزید پڑھ کے کیا کرے گی، بس رہنے دو اسے چار دن گھر واری سیکھنے دو پھر اگلے گھر سدا

رہیں۔ وہ بھاری سے بولیں۔
 ”ابھی سترہ سال کی تو ہے وہ کچھ بڑی تو ہونے دیں۔“ وہ بھی بولی۔
 ”نہیں تم جیپ رہو میں بھرت جاتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔“ وہ جیپ سے ٹوک گئیں۔
 ”مئی اگر بڑے البایا ڈیڈی پوچھ بیٹھے کہ وہ کالج کیوں نہیں جاتی تو آپ کیا کہیں گی۔ اس کی باری کا بہانہ کب تک چلے گا آخر لیز ایک بار مان لیں میں ضمانت دیتی ہوں میرا آپ کے اعتماد کی لاج کئے گی آپ کو آج کے فیصلے پر قطعاً شرمندگی نہ ہوگی۔“ سعدیہ نے باقاعدہ ان کے ہر مقام لیے۔
 ”اچھا تم جاؤ میں سوچتی ہوں۔“ ساجدہ فوراً پاؤں اٹھتے ہوئے بولیں۔
 اور اگلے ہی دن میرا کالج اور دیگر سرگرمیاں پھر سے شارت ہو گئیں مگر اس چند دن کے بعد باہر نکلنے والی میرا پہلے سے بکھر چکے تھے۔ دیو، نالافتی ست اور ہری لڑائی پر کمر بستہ میرا جیسے کچھ ہو چکی تھی۔ بروقت کا بولنا ہنسنا غائب تھا اور ایک سنجیدگی بھی ذہانت و اعتماد کیا لہا وہ تھا۔ جو پہلے کے کھلی توڑ کے نہ دیکھا۔ آذین کو فوراً تھوڑا سا بکتر کرتے ہی اعلیٰ تعلیم کے لیے فارغ التحصیل ہو گیا اور میرا پر سکون سی ہو کے خود پر گئے نعمت و شرمندگی اور ملامت کے ذمہ دہنے کو لگا تار محنت کرنے لگی اور محنت و لگن کی بدولت بہت جلد وہ ٹاپ پوزیشن ہو لہو ز سٹوڈنٹ میں اپنی جگہ بنا گئی۔ اس کا خلا روپیہ لیے دیے رہنے والا انداز اسے یونیورسٹی میں ممتاز رکھتا تھا۔ تو اچھا توازن رویہ اور سب کو دل جیتنے کی کوشش میں معمولی سے معمولی کام کو بھی قدرہ پیشانی سے کر دینا ایوں پراپوں میں منفرد بنا گیا۔ جس کو ذہانت کا مرجع تو پارسیائی و پاکیزگی کا سہل ہر برائی سے پاک میرا گزرتے وقت کے ساتھ خوب صورت دیدہ زیب ہوتی گئی چاب اس کے لباس کا اک لازمی جز وہ بن گئے تھے۔

کتنی محنت کی تھی اس نے یہ سب کرنے کے لیے کس قدر مارا تھا اپنے آپ کو اور جب زندگی جیتنے کے قابل بننے کی تھی تو وہ پھر سے اگیا تھا۔
 جوی جس نے اس سے جیتنے کے تمام حق چھین لیے تھے، اس کی ساری کشتیاں جلا کے سڑ پر روانہ کیا تھا میرا کی ساکت نگاہیں کھڑکی کے پار کھڑے خود سے ٹھک جا کر ایں جس کی تمام تر مردانہ وجاہت کے باوجود اسے اس سے شدید ترین نفرت محسوس ہو رہی تھی۔
 ”تمہیں میں کبھی معاف نہیں کر سکتی آذین علی تم میرا ناپسندیدہ رہو گے۔“ اس کی آنکھیں پھر سے پھٹک اٹھیں تو وہ رخ موڑ کے دیوار سے ٹک لگا کے چہرہ پونچھنے لگی۔
 سوز بکر بھی وہی، سوزالم بھی وہی اسے میرے دوست تیرے بیٹھے غم بھی وہی اسی طور سے لٹا ہے کوئی برسوں بعد کرا لے ہوں دن کے لہجوں میں خوف وہ محبت پھر جھلکتی ہوئی رات کے غم بھی وہی
 ☆.....☆.....☆
 تمام رات اس نے روتے پنے آنکھوں میں کافی تھی وہ شخص جس کے لیے گزرتے سے اپنے اندر نفرت کو لیل پیل شدید ہوتے دیکھا تھا اک انتہائی مقرر عریز اور فریبی رشتے کا حوالہ لے کر اس کی زندگی میں داخل ہونے جا رہا تھا اور وہ یہ سب قبول کرنے کو ہرگز تیار نہ تھی۔
 خود پر لا رہا تھی بے نیازی اور طمانیت کا لہو رخ جانے کے باوجود وہ اک ان دھیمی آگ میں سکتی رہی تھی اس شخص کو سوچ کر جو اسے دنیا میں سب سے زیادہ ناپسند تھا جو بچپن سے اس کی خوشیاں چھینتا آیا تھا اس کی ہر جیت کے آڑے آتا رہا تھا۔ جس نے اس سے کبھی نرم رویہ نہیں برتا وہ اسے دیکھتی تو سانس تک پڑنے لگتی اور کبھی شخص اس کی زندگی تک کرنے والا تھا کیونکہ کچھ

گھنٹوں بعد آج کی تاریخ میں وہ مستقل طور پر اس شخص سے منسوب ہو رہی تھی۔
 اس کے اندر غم کی تیز لہریں اٹھ رہی تھیں دل کی بے چینی جد سے سوا کچھ۔ اکتی بیٹھی چلتی چلتی وہ ایک نئی بات مسلسل سوچ رہی تھی۔ آذین علی سے بچھا کیسے چھڑایا جائے؟
 ”مجھے مبشرہ دروازہ ٹاک کر کے اندر آئی تھی وہ فوراً سیدھی ہو کے دیکھنے لگی۔
 ”اسلام علیکم میرا آپنی آج تو بہت سوئیں نماز بھی تھا کر دی۔“
 ”نہیں تو میری سب کی چھین چکیں اب سوتی کہاں ہوں بس خوابوں کے ٹکڑے چلتی ہوں۔“
 اس نے کئی سے سوچا اور کھڑے بال اسٹے کر کے کبھ لگنے لگی۔
 ”تم ابھی تک اٹھی نہیں دہن رانی اور مہمان آنے شروع ہو گئے۔“ شمرہ بولی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔
 ”مہمان کون سے؟“ وہ چمک کے پوچھنے لگی۔
 ”ہماری انصیاں والے بھی کہ پہلا حق انہی کا بنتا ہے جو داد اور دادی زندہ ہوتے تو آج کا دن مزید خوشیاں لیے طلوع ہوتا۔“ شمرہ نے کہا۔
 ”اچھا ہے کہ مر گئے وقت پر جو زندہ ہیں وہ کون سا خوشیوں کی تاج پر بیٹھے ہیں۔“ میرا کی سوچ پھر سے چل ہوئی۔
 ”ویسے یہ ہوتی ہے قسمت مانگو نہ کہو بیٹھے بٹھانے بابے سرے ہو گئے۔“ سدرہ بھی ان کے پیچھے چلی آئی۔
 ”تم غم نہ کرو تمہارا نانا کبھی فٹ ہو چکا ہے اور پورے اور تم بھی کھانے والی ہو۔“ شمرہ بھی تو سدرہ نے فوراً کہا تھا۔
 ”اور تمہارے میاں صاحب تو ابھی بچے بس وہ بھٹوں کا وفد ہے پھر تم ہو گی اور موسم رنگیلے سہانے۔“

شمرہ محض ہنس کر رہ گئی اس کا کھاج دو سال قبل ہاموں زار سے ہو چکا تھا۔ جو ملازمت کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے تھے اور اب آچکے تھے۔ تو شمرہ کی رخصتی کا ارادہ فاصل ہو چکا تھا۔
 ”لو کیو کہاں ہو تم لوگوں سے کہا تھا میرا کو پار لے جاؤ۔ مہمان آنا شروع ہو چکے ہیں اور تم ہو کہ بیٹھیں ایک ایک کر کے کھسی بیٹھی ہوں اندر کی خبر نہ باہر کی۔“ بڑی امی دینگ آواز میں پکاری سب بھاگیں۔
 ان سب کے باہر نکلنے پر میرا ایک لمبا سانس خارج کرتی واشی روم کی جانب کی منہ ہاتھ دھو کے باہر نکلی اور کچر اتار کے میٹر برش سے بال سنوارتے ہوئے پھر سے کچر لگایا ہاتھوں پر کلرنگ ملک لگاتے ہوئے وہ بھی تو سدرہ ہی جی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔
 ”اسلام علیکم کبھی ہو میرا تم پر تو دلہا بے کا روپ میلے ہی چڑھ گیا۔“ وہ اسے خود سے لپٹاتی ہوئی بولتی تو اس کے گلے میں جیسے آنسوؤں کا گولہ سا چھس گیا۔
 ”بھی تم تو ماشاء اللہ ویسے اتنی سافٹ اور فیر رنگ کی مالک ہو بار بار والوں کو مفت کا چیک دینا ہے۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔
 ”آئی آپ تو ایسا نہ کہیں آپ کو تو میں نے اپنی وکالت اسے حق بولنے کو بلایا ہے نہ کہ اپنی شکل ویسے چارگی کا جشن منانے کو۔“ وہ آزرہ سی ہو کے بولی۔
 ”am so sorry“
 مذاق چھڑ چھا کر رہے تھے ماحول ایسا بنا ہوا ہے کہ منہ سے نکل گیا۔ بہر حال تم Tens مت ہو میں کرتی ہوں بڑوں سے بات۔“ سعدیہ اسے حوصلہ دے کے نکلی۔
 ☆.....☆.....☆
 پچھلے دو گھنٹوں سے بند کمرے میں کیا

مینگ ہو رہی تھی کون سا فیصلہ کنسل اور کون سا او
کے ہو رہا تھا۔ وہ چلے جبر کی ٹی کے مانند لاؤنج
میں چکر کاٹی جانے کو بے تاب تھی۔

”اسے کہتے ہیں خدا جب دیتا ہے تو چھیڑ
بھاڑ کے دیتا ہے۔ ہر اتم واقعی بہت خوش قسمت ہو
سب فیصلے بہت اچھے ہو رہے ہیں مگر تمہارا فیصلہ
سونے کے تاج میں اگلوتے میرے جیسا سنہرا
ہے۔“ سدرہ لاؤنج میں دھڑے صوفے پر گہرتے
ہوئے بولی۔

”کیسا فیصلہ؟“ وہ ذوقی ابھرتی ہوئی بولی۔
”ارے بھئی شادی کا فیصلہ اور کون سا سب
مغنی کا کہہ رہے تھے مگر ای بولیں۔“ مگر کی بات
ہے سیدھا سیدھا نکاح پڑھوادیں رخصتی بے شک
میرا کا فائل ایئر مکمل ہونے پر ہو جائے اور سدرہ
آبی ارشد بھائی بائین بھائی بیہیم بھیا سمیت سب
نے بھر پور تائید کر دی۔ اور اب آپ کا نکاح
ہوگا۔ آج ہی ہے ناں قسمت کی بات۔“

”نکاح، شادی میری“ اس کی رحمت یکدم
زور دے گئی۔

”ساجن جی گھر آئے دلہن کیوں
شرمائے۔“ سدرہ اب ہنسنے ہوئے گانے لگی اور وہ
ساکت سی یک لک اسے دیکھنے لگی۔

ایکلی رات اور دکھ کا آچھل
اس کی یاد اور دکھ کا آچھل
بڑی مدت سے قائم ہے جدائی
تیرا میرا ساتھ اور دکھ کا آچھل
شام ڈھلے بھر کنارے
بھیل رہی رات اور دکھ کا آچھل
کس دریا کی نذر کروں
بکھری ذات اور دکھ کا آچھل
کس کے غلوں کا تھک کہوں
ٹوٹے خواب اور دکھ کا آچھل
خون میں بھینکا جاتا ہے
ہوا کا پات اور دکھ کا آچھل

میرے تن بھی
لگتی رات اور دکھ کا آچھل

”کیا تھا یہ سب زندگی کے بارے میں یہ
تو نہ سوچا تھا۔ زندگی جو روپ لے کر سامنے آئی تھی
کچھ نہ آتا تھا۔ اس کے چہرے پر اعتبار کرے یا
رنگ پر ہنسنے سکرانے سب اپنے پیڑھے اپنے
لوگ اس کے رو رو تھے چپکے دیکھتے بلبوسات اور
خوشی سے چپکے لہجے اور ان سب میں وہ بھی اداس
مضمل آزرده خالی آنکھیں، بے حس دل اور
ہر شے ہر چہرے کو بے گامگی سے دھنکتی نکاتیں۔

”سدرہ یہ آپ کو تو میں نے اپنی راہ کے
کانٹے ہٹانے کے لیے بلایا تھا اور آپ نے مستقل
میرے لیے کانتوں کی بیج تیار کر دی۔“ وہ اسے
اٹھانے کے لیے آگے بڑھیں تو میرا کا دل بے
طرح چلایا تھا۔

”بہت خوبصورت لگ رہی ہو خدا نظر
بڑے بچائے۔“ انہوں نے زور تار ڈھونڈ کر
کرتے ہوئے ہوئے اس کی پیشانی چوٹی۔

”مائی گڈس برابر یہ تم ہی ہو۔ بہت زیادہ
زبردست لگ رہی ہو۔ ایسا نہ ہو آذین بھائی کی
نیت بدل جائے اور وہ رخصتی کے لیے شور
مچادیں۔“ سدرہ بھی تھیر آ میر خوشی سے بولی تھی۔

اور میرا ان کے تہروں سے بے نیاز دلہن اپنے
کے حسین روپ میں تھی محمد کھڑی تھی۔ اسے بہت
دیر سے آذین کے برابر میں بیٹھا دیا گیا تھا
اور بیٹھے ہی نکاح نامے کے کاغذات اس کے
سامنے رکھ دیے گئے تھے۔ اس نے لمحہ بھر نگاہ اٹھا
کر دیکھا تھا سدرہ آبی اور مکی اشارے سے سامنے
کرتے کو کہہ رہی تھیں۔ وہ یقیناً ہی دکھ اور
تاسف کی انتہا پہ آکھڑی ہوئی۔

”یہ ہیں میری ماں، بہن جنہیں میری خوشی کا
کوئی احساس نہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں نے
مجھ پر زندگی تک کر دی ہے۔“
”اجازت دیں بھائی صاحب۔“ نکاح

خواں اعجاز عباس سے مخاطب ہوئے۔
”اجازت ہے، میرا بیٹی دستخط کر دو۔“

ڈیڑی نے کہا تو اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔
آنسو کا قطرہ پھیلنے کی پشت پر گرا اور اس نے
کاہنچے ہاتھوں سے دستخط کر دیے۔
”مبارک ہو مبارک ہو“ سب آذین کو گلے
مل رہے تھے۔

”یہ میری قسمت یہ شخص جو بچپن سے
میرے لیے ناپسندیدہ رہا اور عمر بھر کے لیے میرے
اعصاب پر مسلط ہو گیا۔“ اس کے آنسو مسلسل بہتے
ہوئے چہرہ بھگور رہے تھے۔

”بہت خوش قسمت ہو تم میرا آذین تعاون
کرنے والا اور پر غلوں شخص ہے۔“ چھپو نے
اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

”ماں واقعی اس نے بہت غلوں ادول سے
میری زندگی برباد کی ہے۔“ وہ اندر ہی اندر لگی۔
”ہاں تو ڈیر کرنا اب سہ سے ہو جائیں
ذرا سب کے ساتھ آپ کا مووی سیشن اور نوٹو
سیشن شروع ہونے لگا ہے۔ راجیل کیمبرہ لیے
آگے بڑھا تھا۔

”نہیں دراجیل، میرے سر میں درد ہو رہا
ہے میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔“ میرا
کسی کا بھی خیال کیے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میرا بیٹی سب کی خوشی کا احساس کرتے
ہیں توڑی دیر کی بات ہے یادگار موقع ہے اکٹھے
تصویریں بنا لیتے دو۔“ بڑے ابا اس کے سر پر ہاتھ
رکھتے ہوئے بولے تو وہ ناچا ہے ہوئے بھی بیٹھ
گئی۔

”میرا آبی پلیز سائل“ راجیل پکارا تھا۔
سدرہ نے دیکھا اس کے چہرے پر
سکراہٹ کی بجلی سی برق بھی موجود تھی۔
”جانے یہ تیل منڈ ہے چہ کی یا نہیں۔“
وہ اندر سے پریشان ہوئیں۔
آذین نے تصویر بنوانے کے لیے اس کے

شانوں پر بازو دراز کیا تھا اور وہ کسمسا کر پرے
ہٹی تھی اس حرکت پر مئی نے نگاہوں ہی نگاہوں
میں سرزنش کی جسے وہ آرام سے نظر انداز کر گئی۔
سب کزنز اصرار کر کے آذین کو پوز دیتے ہوئے
تصور بنارہا تھا۔ گھنڈ بھر اسی کام میں لگ گیا تھا۔
پھر زنیہ اور راجیل کی۔ لگائی اور دو بیٹے بعد عمرہ کی
رخصتی کا اعلان کیا گیا تو بیک باری میں ایک
خوشگوار پہل بچ گئی۔ بزرگ لوگ شکر کرتے ہوئے
ان کے فضل میلے کو دیکھتے اپنی گفتگو میں بھی
مصروف تھے۔

”آج کی اس محفل کے روح رواں آذین
بھائی ہیں بہت مرادوں بھرا دن ہے ان کے لیے تو
ہو جائے آذین بھائی کی طرف سے ایک شوخ
گیت۔“ نعمان بڑے اسٹائل سے ہاتھ کا مائیک
ہٹاکے بولا تو سب ہنس ہنس کر رہ گئے۔

”نا بھئی تاہ گیت دیت ہمارے بس کا
روگ نہیں کیوں خوا خواہ نامور سنگری زکی روحوں کو
تڑپانا چاہے ہو۔“ آذین نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”ایک اور آئین بھی ہے آپ شاعری
سادیں دل کو چھوٹی دھڑکنوں کے تار ہلاتی۔“
نعمان خورا بولا تو سب پیچھے پڑ گئے اور مجبوراً آذین
کو حامی بھرنا پڑی۔ وہ کچھ محلوں کی خاموشی کے بعد
اپنے برابر بیٹھی میرا کولہ بھر دیکھتے ہوئے۔

بہت دلکش لب و لہجہ میں اپنی خواہشوں،
محبتوں کو بیان کرتے ہوئے اس کے اندر اک
بھلی سی سادہ ارادہ لگا۔

میرے خوابوں کو تنہا کے گھونٹے دینا
میری آنکھوں کو کس محبت کے حقے دینا
میری پر میری رکھنا قبول دعا کا مرہم
میرے بے نور نقطہ کو روشنی کے تریبے دینا
رشتہ آرزو کا نہ خواب سے ٹوٹنے پائے
دک لب پر سراپا کی کے ڈانٹے دینا
میں بڑی لمبی مسافت پر ہوں میرے ضم
میرے قدموں میں منزل کے راستے دینا

تھہ کو دیکھوں تو پکوں تے جلتے ہیں چراغ
نگاہوں کو خوش نمائی کے ڈالتے دینا
ملائیں تجھ سے جو ابھریں وہ گہریں پھلی پر
اصل جس میں ہو وہ ڈانچے دینا
مجھے دینا نہ جہاں عمر بھر کے لیے غزل
دینا تو بس رفاقت کے آئینے دینا
☆.....☆.....☆

اس کے ہاتھ میں اخبار جہاں کا تازہ شمارہ
تھا اور سامنے چلتے لی دی کے کیبل چینل پر بہت
اچھی مودی آرہی تھی مگر اس کی توجہ نہ فلم پر تھی اور نہ
اخبار پر وہ دونوں سے لائق نہیں اور کم تھی۔ اندر
آئی سعدیہ نے کچھ دیر اسے دیکھا مگر مبرا کے کوئی
رہنما نہ دے پڑے وہ بول پڑیں۔

”ہیلو مبرا ایسی ہو، تم تو گل سے اپنے کمرے
کی ہو گئیں، باہر لگی نہیں۔“

”آپ کا زندہ نظر آرہی ہوں تا تو سمجھے
بہت اچھی ہوں اور رہی باہر کی بات تو باہر کا ماحول
آپ نے اتنا اچھا بنایا کہ میں خود کو اس کے قابل
نہیں سمجھتی۔“ وہ تڑخ کر بولی۔

”مبرا کیسے بات کر رہی ہو“ سعدیہ کچھ
ناراضگی سے گویا ہوئی۔

”جیسا سلوک آپ نے کیا ہے میرے
ساتھ میری زندگی کے ساتھ اس کے لحاظ سے تو
بہت نرمی بھرت رہی ہوں ورنہ.....“ وہ بولتے
ہوئے یکدم چپ ہو کر رخ موڑ گئی۔

”مبرا چندا ناراض ہو میری بہن۔“ سعدیہ
نے بے چینی سے اس کا چہرہ بکڑے اپنی طرف کیا
تو وہ رد رہی تھی۔

”مت کریں یہ دھڑکے باز میرے
ساتھ پہچان گئی ہوں آپ کو بہت اچھی طرح۔“ وہ
جھٹکے سے پیچھے ہو کر بولی۔

”مبرا ایوں امت کرو۔ ہم سب تمہارے
دشمن تو نہیں۔“

”دوست بھی نہیں۔“ وہ فوراً بولی۔

”مبرا تم سمجھتی نہیں ہو۔ آذین بہت اچھا
بہت بڑھا لکھا اور دیکھا بھلا لڑکا ہے۔ یقین کر دو تم
اس کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزارو گی۔“ وہ
نرمی سے بولیں۔

”عمر بھر کے لیے تو عذاب کا سورج آپ
نے میرے سر پر دھکا دیا ہے۔ قہر بھری دھوپ میں
کھڑا کر دیا ہے مجھے اس میں اچھا کیا ہے اور وہ
محض کتنا اچھا ہو مجھے کیا لینا جب میں اس سے
شدید نفرت کرتی ہوں تو اس کی خوبیوں سے میرا
کیا کام۔“

”یوں مت کہو مبرا، وہ اب تمہارا شوہر
ہے۔“ سعدیہ نے ٹوکا۔

”کیوں بنایا ہے آپ لوگوں نے اسے میرا
شوہر کس نے یہ اختیار دیا تھا۔ آپ لوگوں کو کہہ
میری زندگی کے ساتھ ایسا سنگین مذاق کریں۔ میں
آپ سب کو معاف نہیں کروں گی۔“ وہ جیسے ہوئے
بولی۔

”مبرا آج پتہ پتہ کیوں خواہ مخواہ داغ
خراب کر رہی ہو اپنا بھی دوسروں کا بھی، اچھا بھلا
بڑھ لکھا پنڈت منہ مٹا ہے اور تمہارے خرمے نہیں
سنہلتے اس کو لڑکیوں کی کیا کمی بھی بھلا تم تو خوش
قسمت ہو کہ اس نے تمہارے نام قدر ڈالا ہے۔“

”تو اس پنڈت اور قابل شخص کے لیے آپ
کوئی اچھی اور قابل لڑکی منتخب کر لیں کس نے کہا تھا
کہ خوش قسمتی کا یہ دھول میرے سر پر بجا کے مجھے
ہمیشہ کے لیے بد قسمتی کے خانے میں سلا دیں۔“

”تم تا شکر لڑکی ہو۔ عادت پڑ گئی ہے
تمہیں ہر پہل بھڑکتے رہنے کی۔“ سعدیہ غصہ سے
بولی۔

کیا ہوا ہے تم لوگوں کو کیوں شور ڈالا ہے اور
مبرا تم کیا تماشہ لگائے بیٹی ہو باہر سب آوازیں
سنائی دے رہی ہیں، مگر اندر نہیں۔

تماشہ تو میں بھی ہوں آپ کی مہربانی سے اور
اب آپ سب کو تماشہ لگائی کہ تماشہ بنایا کیسے جانتا ہے

دوسروں کی زندگی کو۔“
وہ تڑخ کر کے باہر نکلی، سعدیہ اور مبرا ایک
دوسری کو پریشان سے دیکھ کر رہ گئیں۔
☆.....☆.....☆

”آذین کچھ بتاؤ اس رشتے سے تم بھی
خوش ہو یا صرف ایک تنگ کر رہے ہو۔“ سعدیہ اس
وقت آذین کو گھر کے کھڑکی پر تھی۔

”خوش ہوں سب میری مرضی سے ہوا ہے
ناخوش ہونے کی کیا بات ہے۔“ وہ دل کھول کر
بہنہ تھا۔

”جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو۔“ سعدیہ
نے غور سے دیکھا۔

Please believe me
ضرورت ہے بھلا جھوٹ بولنے کی اور آپ کو یہ
دہم کیوں ہوا کہ میں خوش نہیں ہوں۔“ وہ سینے پر
بازو لپیٹتے ہوئے پوچھنے لگا۔

In fact مبرا خوش نہیں ہے۔ وہ بہت
بھی اور ناراضگی کے عالم میں ہے۔“ سعدیہ
پریشانی سے بولی۔

”تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات
ہے۔ پہلے وہ کون سا خوشی اور سرشاری کے عالم
میں ہوئی ہے۔“ وہ بے نیازی سے بولا۔

”آذین وہ بہت بیوقوف ہے کچھ بھی کر سکتی
ہے۔“

”کچھ نہیں کر سکتی وہ سب سے بڑی بات تو
نکاح کی تھی جب وہ آرام سے ہو گیا تو اب وہ کیا
کر لے گی۔“

”تمہاری لائف ڈسٹرب کرے گی، تم
پریشان رہا کرو گے۔“

”میری لائف؟ آپ کو کیا لگتا ہے وہ پانچ
فٹ کی ڈرامی لڑکی میری لائف ڈسٹرب کر سکتی ہے
اور اگر وہ کچھ کرنے کی کوشش کرے گی تو مجھے اس
سے بچنا خوب آتا ہے۔“ وہ حد درجہ سنجیدگی سے
بولا تھا۔

”تمہیں منع کیا تھا تم نے خواہ مخواہ پریشانی
مول لی ہے۔“

”بیاری آئی آپ Tens مت ہوں یہ
پریشانی مجھے بہت عزیز ہے جان سے عزیز لوگ اگر
پریشانی دیں بھی تو وہ بھی خوشی لگتی ہے۔ اس کے
کچھ میں بہت سکون تھا۔“

”تم میری بات کو سیریلی نہیں لے رہے وہ
تم سے نکاح پر ناراض ہے تمہارا ساتھ اس کے
کے لیے خوش کن نہیں ہے تمہارا وجود وہ قابل نفرت
گردانتی ہے۔ تم اس کے ساتھ ایک اچھی زندگی
کیسے بسر کرو گے۔“

”کہانا کہ آپ پریشان نہ ہوں وہ کسی کے
سامنے کچھ بھی کہے مگر میرے سامنے کچھ کہنے کی
جرات اس میں نہیں۔“

”جب وہ تمہاری بیوی بن گئی تو یہ جرات
خود بخود آ جائے گی۔“ سعدیہ نے باور کرایا۔

”چلیں دیکھا جائے گا جرات کو جرات سے
باریں گے۔“ وہ ہنس دیا کہہ کر۔

”یہ بھی لوگوں کو بھی جانے کیا سوجھی پکڑ کے
نکاح کر دیا۔“ منگنی تک بات رہی تو معاملہ سنبھالا
جاسکتا تھا۔ اب نکاح کو کیسے سنبھالیں۔“ وہ جھنجھلا
کر بولی۔

”یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔“ وہ آرام
سے بولا۔

”تم پر چھوڑ دوں تم جانے کیا جانو جڑھاؤ
مے۔ پہلے تو تم بتاؤ جب تمہیں اس کے رویے کا
اندازہ ہو چکا تھا تو تم نے اس رشتے کے لیے حامی
کیوں بھری۔“ بلک پنٹ شرٹ میں ملیں آذین
علی نے لان میں پھیلی نگاہوں کی خوشبو اک گہری
سانس کے ذریعے اپنے اندر چھپائی اور اپنی خوشنما
آنکھوں کو ان پر نکالتے ہوئے بولا۔

”میں نے تو اپنے والدین کی خواہش اور
رضا کو مقدم جان کر حامی بھری تھی آگے رہا کام
اس کی ناراضگی یا انکار کا تو یہ کام آپ کے والدین

کا تھا کہ وہ سب ملے کرتے وقت اس کی رضا معلوم کرتے۔ اب انہوں نے یہ نہیں کیا تو میں قصور وار کیسے؟

”مطلب تم نے صرف اپنے والدین کی بات رکھی ہے۔ میرا میں پرستی انٹرنسٹ تو تمہارا بھی نہیں ہوگا۔“ وہ یکدم بات پکڑ کر بولیں۔

”نہیں وہ میری فرسٹ کزن ہے۔ بچپن سے جانتا دیکھتا رہا ہوں۔“ اتنا سیدھا وہ بھی نہ تھا کہ بات پر کھل جاتا۔

”تو حجت تو نہیں نایوں گاڑی کیسے چلے گی دونوں جانب سے؟“

”خیر اتنی خشکی بھی نہیں جتنی آپ نے سمجھ لی ہے۔“ اب وہ ذرا سا ہنس کر بولا۔

”ویسے بھی شادی کے بعد میں اسے بدل لوں گا۔“ اب وہ عجیبہ تھا۔

”یہاں اس ماحول میں اس گھر میں یوں اپنے والدین بہن بھائیوں کے سامنے وہ کیسے بدلے گی بلکہ زیادہ ضد پکڑے گی۔“

”وہ یہاں رہی تب ہے نا مجھے آفس کی جانب سے گھر مل رہا ہے اسے وہیں رکھوں گا۔“

مجھے معلوم ہے وہ بہت جذباتی لڑکی ہے کل کو کوئی بھی حرکت اس سے سرزد ہو جو دونوں میں فرق لائے اس سے بہتر نہیں ہوگا کہ میں اسے کچھ عرصہ

سب سے دور رکھوں جب سب کنٹرول ہو جائے تو ہمیں یہیں رہنا ہے اپنوں کے سچ۔“ رمان سے بولتے ہوئے اس کے وجہ پر چہرے پر سنجیدگی

چھائی ہوئی تھی۔

”اگر تمہارا یہ ارادہ ہے تو ٹھیک ہے ویسے تم اسے سب کچھ بتا دیتے تو اچھا رہتا کم از کم اسے

اطمینان تو رہتا کہ سب پانچ سال قبل ہونے والے اس ناگوار واقعے کی اصلیت سے واقف ہیں اور اسے برا نہیں سمجھتے۔“ سعدیہ نے کہا تو وہ

اطمینان سے بولا۔

”یہ وقت آنے پر میں خود بتاؤں گا اور

ویسے بھی اس وقت تک نکاح کا رشتہ میرے حوالے سے مبرا کے احساسات میں نرمی اور تہدلی لچکا ہوگا۔“

”یہ الفاظ تو قیاس تو بعید ہے۔“

”امید تو ہے ناں سب اچھا ہونے کی اور کسی بھی کام کے لیے خوشی امید ہی کامیابی کی

بیڑی ہے۔“

”اگر اس بیڑی کو کوئی پوری قوت سے گرانے کو تیار ہو تو۔۔۔“ سعدیہ نے کہا۔

”تو دوسرا پوری قوت سے بچالے گا نہ صرف خود کو لکھے اسے بھی۔“

کہتے ہوئے آذین علی کے وجہ پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔ سعدیہ نے کچھ جھلا کر اسے دیکھا تھا پھر خود بھی مسکرا دی۔

پچھو کی فیملی واپس جاری تھی گاڑی میں بیٹھنے سے کچھ دیر قبل پچھو مبرا سے مل کے اور سمجھا

بچا کے آئی پھر سعدیہ اور ارشد ملے گئے تو مبرا نے ہاتھ سے وہ ارشد بھائی کو تو خدا حافظ کہہ گئی مگر

سعدیہ نے گئے لگتا چاہا تو بڑے ہنس سے انداز میں یونہی ہاتھ چھوڑے کھڑی سعدیہ کی آنکھیں

بے اختیار پھر آئی تھیں وہ تیزی سے رخ موڑ کر باہر نکلی مبرا گلاس وینڈو میں سے باہر دیکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

”تم ابھی تک سوگ میں ہو یا رکھنا زندگی کا مزہ کر کر کر رہی ہو باہر نکلو۔“ یاسمین بھابی اس کے کمرے میں آئیں۔

”مزہ تھا ہی کب جو کر کر ہوا ہے ہاں آپ کو لگتا ہوگا کہ دوسرے ہندے کو مصیبت میں دیکھ کر سب کو مزہ آتا ہے۔“ وہ جل کر بولی۔

”مصیبت کیوں اللہ خبر کرے تمہارا مستقبل محفوظ ہے خوشیاں منتظر ہیں خود خوشی کی دستک کو راستہ نہ دو تو الگ بات ہے۔“ یاسمین نے کہا۔

”بھابی آپ کو فہم بھائی ملے ہیں اچھے سلجھے بندے ہیں آذین علی نامی شخص نہیں جن کی حقیقت

سے آپ واقف نہیں۔“

”کچھ بھی ہو مبرا امت ماننا بہن سمجھ کر کہہ رہی ہوں اگر کوئی بات یا انکار ہے بھی تو طریقے

سے پرسکون رہ کر صورت حال سے پیوسب کو محسوس نہ بھی ہو اور تمہارا راصل بھی نکل آئے کہ ہندہ پھر بعد شہرہ

کا رجسٹری فنانس ہوگا یوں موڈ بنا کے رہنا انہوں رابیوں کو سوا تین بنانے کا موقع دے گا بہتر یہی

نہیں ہے کہ آرام سے سب کو کوٹھیں کرو نہ کہ غم دھنسنے کے اظہار سے۔“

یاسمین نے رمان سے کہا تو وہ چند منٹ بالکل چپ ہو کر اسے دیکھتی رہی پھر سرانجام میں

ہلا کر اس کے ہمراہ باہر نکلی کہ جینے کا حل تو سوچنا تھا کسی طور سہی پر اس میں بھی تھوڑی مشکل تھی کہ

پوریشن علیحدہ ہونے کے باوجود کھانا پینا چونکہ ایک دسترخوان پر چلتا تھا۔ آذین سے اس کا سامنا صبح

دشام ہوتا ایک جینی اور عام بات تھی گواہیے رویے کی بناء پر وہ بات محسوس نہ ہونے لگی تھی اور

بڑے ابا بڑی امی، چچی، ڈیڈی کمرز کے ساتھ وہ جلی پھلتی نوک جھونک اور خواہ کی بحث میں

مصروف ہوتی یوں آذین سے اس کا بچھینے رہنا کسی کو قابل توجہ نہ لگا مگر شہرہ کی رجسٹری سے دو دن قبل

پچھو آج نہیں تو انہوں نے یہ بات نہ صرف نوٹ کی بلکہ ساجدہ سے پوچھ بھی لیا۔

”میرا اور آذین آپس میں بات چیت نہیں کرتے کیا؟“ ساجدہ ایک دم شینا گئیں اور جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔

”آپا ایک جھجک کی تو ہوتی ہے اس رشتے میں وہی ہے اور کوئی بات نہیں۔“

”سا جو جھجک الگ بات ہے بالکل توجہ نہ دینا اور نظر انداز کرنا الگ بات۔“

”مجھے سمجھ نہیں آیا آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔“ ساجدہ نے زچ ہو کے کہا۔

”وہ دونوں کمرز ہیں آپس میں بچپن سے ساتھ رہے ساتھ پلے بڑھے ہیں اس رشتے سے

ہٹ کر ایک مخصوص فریڈ شب کی فضا ہونی چاہئے باکم از کم کبھی کبھلی گفتگو جبکہ دونوں ایک دوسرے سے ایسا کر بڑ بڑھاتے ہیں جیسے ادھار کھائے بیٹھے ہوں۔“

”آپا کوئی بات نہیں دونوں محض ایک جگہ انہوں کے سچ رہنے کی وجہ سے احتراز برتتے ہیں جو آپ محسوس کر رہی ہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“

”خدا کرے جو میں محسوس کر رہی ہوں واقعی وہ بات نہ ہو مگر پھر بھی تم سے ایک بات کہنی ہے کہ

اگر مبرا اس رشتے پر راضی نہ تھی تو یہ بندھن جسے کی کیا تک تھی۔“ پچھو آخر وہ بات کہہ ہی گئیں جو

کب سے ان کے دل میں کھٹک رہی تھی اور اس بات نے ساجدہ بیگم کو جیسے چپ سادھنے پر مجبور

کر دیا کیا کہیں وہ کہ مبرا کے انکار اور اعتراض کو انہوں نے خود ہی جتنی سے رد کر دیا تھا کسی اور تک

پہنچے سے پہلے اب تو صرف پیار محبت نرمی سے اسے سمجھایا ہی جا سکتا تھا۔

اور یہ کوشش وہ کرتی تھیں تو مبرا جیسے بھڑک اٹھی۔

”سب کچھ تو آپ نے اپنی مرضی سے کر دیا یہاں تک کہ نکاح کروا کے دم لیا۔ اب آپ کیا

چاہتی ہیں مجھ سے میں آپ کی بیٹی ہوں نمی سگی بیٹی سوئی نہیں پلیز رحم کریں مجھ سے بدلے لینے کی

کوشش مت کریں۔“ آخر میں اس کی آواز پھر اگنی تو ساجدہ بیگم ملتھنا نہ انداز اپناتے ہوئے بولیں۔

”مبرا تم اس نکاح کی حیثیت کو نہ سہی جو رشتہ پہلے سے ہے کم از کم اس کی وجہ سے دوستوں

والا رویہ تو رکھ سکتی ہو۔“

”دوستوں والا رویہ اور آذین علی سے شرم آتی ہے مجھے اس سے رشتہ ظاہر کرتے یا نرم رویہ اپناتے کیونکہ وہ یہ سب ڈیز رو نہیں کرتا وہ صرف نفرت ڈیز رو کرتا ہے اور میں اسے صرف یہی

دے سکتی ہوں۔“

”مبرا یہ تو پچھو تھیں جو تمہارا آذین سے کچھا

پرانے کی پیادگی

کھانا نصیب نہیں ہوا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر شریف لے گئے وہ اپنے گھجوروں کے باغ سے گھجوریں توڑ لائے اور کھانے کا سامان کیا۔ کھانا جب سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہ کو بھجوا دو اس کی روز سے اسے کھانا نصیب نہیں ہوا۔

زندگی

ان کی روزمرہ کی زندگی غریبوں اور مسکینوں کی سی تھی اور انہی کے ساتھ ان کو خاص طور پر محبت اور یک جہتی کا احساس تھا۔ ہر قسم کے ہاتھ کا کام خود کر لیتے تھے۔ اس میں کسی طرح کی عادت تھی۔ گھر کی صفائی کرتے، سونڈیوں کو چارہ ڈالتے، بازار سے سامان خریدتے، بھنے کیڑوں کو بوند لگاتے، ٹوٹے بوتلوں کو کاٹتے، ٹوکروں کے ساتھ چٹہ کر لیتے کھانا کھاتے، گودا اگر بعض دفعہ کھاتے تو کچھ بھی میسر نہ ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور بھوکے ہی سو جاتے۔ کبھی کبھی کئی بیٹے جو لمے میں لگ نہ جاتے اور پانی اور گھجوروں پر گزارا ہوتا۔

دنیا کا واحد معجزہ

لفظ ”عمر“ کے معنی مجموعہ ”فعلی“ اور ”تخلوق کامل“ کے ہیں۔ اس کے آگے کوئی نقطہ نہیں ہے، یعنی ”عمر“ کے معنی ”جس کی تعریف کا سلسلہ بھی ختم نہ ہو۔“ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف کے بعد توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ محض اعتقاد ”نہیں بلکہ واقعہ و راستہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات سے پردہ اٹھتا جاتا ہے۔ علماء و فضلاء یورپ کی اکثریت تاریخ اسلام کے حوالے سے اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے دنیا کی مختلف بریتانیوں اور بے قراروں کو ختم کرنے کی ضرورت ان کے نزدیک اتنی ہی

بڑھتی جاتی ہے۔ بادل ناخواستہ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑا ہے اور زبان اعتراف کھولنا پڑی ہے کہ بے شک پیغمبر عرب کے قانون دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عام انسان کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اہل ایشیا اور یورپ کے بعض علاقوں کا رجحان طبعی خنارو خانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے اسی قدر وہ پیغمبر عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ عام مبارک چودہ سو برس پہلے سے اس آئے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے۔ مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہوگی خواہ وہ اپنی موجودہ حالت میں جس قدر بھی ترقی کرتی جائے اپنے ماضی کو ہرگز بڑے دنوں حالتوں میں اسے کمالات نہ ہونے کے اعتراف سے چارہ نہ ہوگا۔ اس حیثیت سے نام مبارک کا ترجمہ غریبوں اور اچھا بھلا کا سلسلہ ہوگا۔

چینج آج بھی اسی طرح کوں کھاتے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ضبط نفس پاکیزگی اور صداقت کا نمونہ تھی۔ بچپن میں ہی لوگ آپ کی شخصیت سے اس قدر متاثر تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”الامین“ پکارا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صورت پر اپنے خاندان کی ضروریات پر بھی مقدم نہ جانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان تمام عرب میں ہر مسافر و موافق و معزز تھا۔ جب بھی قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے اور مخالفت کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بڑا کھاکرتے تھے۔ ”اسے قریش یا میری زندگی کا ایک ایک لمحہ تمہارے سامنے برہنہ ہوا ہے۔ مجھے بتاؤ تو کسی کیا تم نے اس عرصہ میں مجھ میں کوئی بھی برائی دیکھی ہے؟“

یہ چینج آج بھی اسی طرح شرق و مغرب میں گونج رہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ برکت کو بھی یہ جرات نہیں ہوتی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کسی ایک واقعہ پر بھی حرف گیری کر سکے۔

سادگی کا یہ عالم

کھانے میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا عموماً جو کی روٹی ہوتی تھی اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں چھاتی نہیں تھی اس لیے اس کی بیوی چھونک مار کر مٹا دی جاتی تھی۔

چنانچہ عرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ بھی چھتے ہوئے باریک آئے کی روٹی تناول فرمائی اور نہ ہی کبھی دسترخوان پر کھانا کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ جو کچھ موجود ہوتا تھا وہی تناول فرماتے تھے اور بھوک نہیں ہوتی تھی تو چھوڑ دیتے تھے۔

نصف گھجور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال سے زیادہ اپنی امت کی تسلی و سولت کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ لگان و خراج سے جو مال و دولت اور اشیاء آپ کو موصول ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوری طور پر لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اپنے لیے کچھ نہ چھوڑتے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بنا اوقات میں میں روزانہ گھر میں لگ نہ جاتی اور اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک یا نصف گھجور کھا کر روزہ افطار کر لیتے۔

کھاتے اور کھاتے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر جب کوئی مہمان ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس سے فرماتے جاتے کھائے اور کھائے، جب مہمان خوب میر ہوتا اور بے حد انکار کرتا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصرار سے باز آجاتے۔

سادہ زندگی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بہت سادہ بسر کی اور وفات سے پہلے فرمایا! ”کہ میرے درخاء کو میرے ترکہ میں روپیہ پیسہ کچھ نہ ملے گا۔“

حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دنیاوی

ساز و سامان میں سے جو تھیں ان میں جو کسی کو دیا جاتا حالت تو یہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روزہ مبارک ایک سو دی کے پاس تیس سو روپے عورت کو بھی ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیس سو روپے عورت کو بھی نہ تھی کہ اسے چھوڑتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں۔ آپ بتھار ایک گچھ اور تھوڑی سی نمونہ۔ ماکولی نہیں چھوڑی اور ان اشیاء کی بہت بھی اشد فرمایا۔ یہ خیرات کردی جائیں۔

ٹاٹ کا ٹکڑا

حضرت حفصہ فرماتی ہیں گھر میں ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا جسے ہم دہرا کر دیا کرتے تھے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر آرام فرمایا کرتے تھے ایک رات میں نے خیال کیا۔ کہ اگر اس کی چار تھیں کوں تو غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ آرام ملے گا۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”رات کو تم نے میرے لیے کیا بچھایا تھا؟“ میں نے کہا۔ ”جی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹاٹ تھا مگر اس کی چار تھیں گری تھیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستر طریقے سے آرام کر سکیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”نہیں اسے تو جیسا کہ تمہاری سہاوی کہو۔ اس نے مجھے نماز شب سے باز رکھا۔“

خدا کا شکر گزار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو اتنی دیر تک نماز میں کرتے رہتے تھے کہ پاؤں مبارک پر دم نہ تھا۔ حال یہ دیکھ کر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت تو خدا اگر چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں یہ رحمت نہ ملے۔“

رونا آگے

ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے ساتھ شریک صلی سونق

بہت ہے تو خود کو چھڑالو۔“ وہ دوسرے ہاتھ سے
 کھینچ کر اسے مزید قریب کرتے ہوئے بولا تو گرم
 سانسوں کی پیش سے اس کے رخسار جھلنے لگے اور
 دل عجیب ارتعاش سے دوچار ہونے لگا۔

”بولو بہت ہے مجھے شمع کرنے کی۔“ وہ اس
 کا دلچسپ چہرہ اپنے چہرے سے لگا کے مبرا کے
 نرم ہونٹ چھو گیا تو ایک حدت آمیز سنسنی پورے
 وجود کو ہلا گئی وہ لمحہ بھر میں پینے سے بھر پڑی۔

”تم چیز انسان چھوڑ دو مجھے ورنہ میں چلا چلا
 کے سب کو اکٹھا کر لوں گی۔“ خود کو چھڑانے کی سعی
 میں ناکام ہو کے وہ گلو گھر سلجھ میں بولی۔

”تو بلاؤ سب کو منع کون کر رہا ہے زیادہ سے
 زیادہ یہی کہہ دیں گے کہ آخر شوہر تھا تمہارا کوئی
 جسامت کر بھی گیا تو خیر ہے تم چپ رہیں۔ بدنام تو
 تم ہی ہو گی پھر بھی۔“ وہ اس کے ملائم ہونٹوں پر
 اعلیٰ شہادت پھیرتے ہوئے بولا تو اس کے رخ
 معنوں میں ہوش اڑے تھے۔ مبرا اپورا زور لگا کے
 ایک بار پھر خود کو اس کی مضبوط گرفت سے نکالنا
 چاہا مگر یہ کوشش اسے آذین علی کے مزید نزدیک
 کر گئی وہ اب بالکل اس کے سینے سے لگی تڑپ
 رہی تھی۔

”کب تک بھاگو گی مجھ سے آخر تو انہی
 یہاں ہی آتا ہے۔“ وہ ہنساتا۔

”وہ دن بھی نہیں آئے گا میں تھوکتی ہوں تم
 پر۔“ وہ نفرت سے بولی تو آذین علی کچھ دیر بڑی
 توجہ و تنیدگی سے اس کی شرعی لگا ہوں میں دیکھتا
 رہا پھر یکدم اسے آزاد کرتے ہوئے مسکرا کے
 بولا۔

”اس دن کیا ہو گا یہ پھر بتاؤں گا ابھی تو میں
 جا کے شرہ اور می سے کہہ رہا ہوں کہ مبرا اور رہی
 ہے وہ شادی اس دکھ کے مارے ایندھن نہیں کر رہی
 کہ مجھ سے پہلے شرہ کیوں رخصت ہو رہی
 ہے۔“ مبرا نے ہنسنے کے دیکھا تھا اس سے کچھ بعید
 نہ تھا وہ یہ سب اسی طرح جا کے کہہ بھی دیتا اور

سب یقین بھی کر لیتے۔

”نہیں تم ایسا ہرگز نہیں کہو گے۔“ لہجہ سخت
 رکھنے کے باوجود اس کی آواز میں لرزش آمیز التجا
 اتر آئی۔

”تو پھر پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس جلدی
 سے چھج کر کے لان میں پہنچو۔“ وہ مسکرا ہوا ہاتھ کے
 سنجیدگی سے کہتا ہوا ہر لکھا۔ تو وہ دل میں اسے شاندار
 قسم کی گالیوں اور کوسنوں سے نوازی دار ڈروب
 سے کپڑے نکالنے لگی۔

پھر ہندی مایوں کے سارے فنکشن میں
 آذین علی کو دیکھ دیکھ کر اس کا دل جتا رہا مزید تل
 پھو کے شوٹے نے چھڑک دیا۔

”بھائی صاحب گھر کی تو بات ہے ساتھ مبرا
 کو ہندی لگا کے اس کی بھی رخصتی کر دیں سب
 اکٹھے ہیں آپ بھی فرض سے سبکدوش ہوں۔“

اجاز عباس اور ارشاد عباس تائیدی انداز
 میں جگمگات کی جانب مڑے اور شرہ کے حشر میں
 دس گھاؤاتی مبرا کا اپنا منہ پورا کھل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

عباس ہاؤس میں ایک اور دن طلوع ہوا تھا
 امنگوں اور نونوں خوشیوں، محبتوں سے بھرا زندگی
 کے تمام حسین رنگوں سے سجا ایک ساتھ دو دہنوں کی
 رخصتی دوبار اتوں کو خوش آمدید کہتا چمکتا دن۔

اور بج کر کے رہنمائی لپٹنے میں دلہنا ہے
 کے تمام تر لوازمات سے سجا ظہر، مہکتا وجود حسن
 قاطلانہ سینے آذین علی کے برابر بیٹھی مبرا۔

اور میردن کمر کے لپٹنے میں دلہن بنی
 خوبصورت شرہ اور فیصل ندیم شرہ کے چہرے پر حیا
 آمیز تبسم ہلکی چھب بکھیر رہا تھا فیصل محل کے
 مسکرا رہا تھا۔ جبکہ خوشی و سکون آمیز طمانیت کی
 چمک سے کھلا پڑا تھا۔

شرہ مبرا سے پہلے رخصت ہو رہی تھی رخصتی
 کے سے گلے ملتے ہوئے اس نے مبرا کے ہاتھ
 تمام کے کہا تھا۔

”مبرا جو اختلاف ہے اسے بھلا کے دیکھنا
 مبرا بھائی بہت محبت کرنے والا پر خلوص اور اچھا
 ہم سفر ثابت ہو گا وہ تم سے شدید محبت کرتا ہے تم
 سے پہلے اس نے کس کے لیے سوچا چمک نہیں اس
 کے سارے جذبے خالص سچے اور صرف تم سے
 وابستہ ہیں اس کو خوش رکھنے اور خود خوش رہنے کی
 کوشش کرنا میری دعا ہے اللہ تم دونوں کو ہر
 دولت سکون اور نعمت، خوشی سے نوازے اور تم
 لوگ ایک خوشیوں مرادوں بھری زندگی بسر
 کرو۔“ شرہ نم نگاہیں لیے بیٹی تو اس کی آنکھیں
 جھلک پڑیں۔

”اُمہوں ابھی تمہاری اور تصویریں اور
 مووی بننا ہے میک اپ خراب نہ کرو۔“ آذین
 نے ٹوکا تو اپنے مبرا کو شرہ، خیرہ، پہلے سے شخص
 کو دیکھ کر اس کے احساسات میں اک سکتی کیفیت

اُبھر آئی۔
 ”دو گز نور اور بہنوں کی چھتر چھاؤ علاق اور
 دودھ پلائی کے دوران بحث کو اعتماد سے جھیلنا
 بہت خوش تھا وہ۔“

سعدیہ اور بشرہ کو ٹیگ کی انگوٹھی پہنانے کے
 تیسرا ہاتھ آگے ہوا تو اس نے چونک کے دیکھا وہ
 سدرہ تھی۔

”ارے تم کہاں بھی تمہارا یہاں کہاں کام
 بنتا ہے ویسے بھی تم تو دلہا کی بہن ہو۔“ آذین
 فوراً بولا۔

”جی نہیں اب میں مبرا آئی کی تیار ازاد بہن
 کے طور پر دودھ پلائی کی رسم میں شریک ہوں تو یہ
 حق تو آپ کو دینا پڑے گا۔“ سدرہ نے کہا۔
 ”اور ابھی تو زنیہ بھی ہے اسے بھی فارغ
 کرنا ہے۔“ یاسمین بھائی ہنستے ہوئے بولیں او وہ
 فوراً ہاتھ کھینچ کر جیب پر رکھ گیا۔

”نہیں بھئی ایک گلاس دودھ کے بدلے اتنی
 زیادتی اتنا مہنگا دودھ ہے تو پہلے بتاتے میں
 ہرگز نہ پیتا۔“

”اب تو بی لیا۔ قیمت ادا کرتی پڑے گی
 ویسے بھی یہ دودھ تو قسمت والوں والوں کو ملتا ہے
 یہاں اتنے لڑکے موجود ہیں کسی اور کو ملا۔“ فہیم
 نے نقد دیا۔

”بھائی بیگم کی حمایت کو آپ بھی لوٹا پارٹی
 میں مل گئے۔“ سدرہ کو دیکھ کر وہ از حد صدمے
 سے بولا تو سب ہنس پڑے۔

”چلو بھی جلدی کرو لڑکیوں کو فارغ، یہ کام
 بننے کا تم تم دہن کے حقدار بنو گے۔“ یاسمین بھائی
 پھر بولیں تو اسے مجبور ہزار ہزار نکال کے سدرہ
 اور زنیہ کو دے پڑے جوانہوں نے قدرے
 قابل سے تمام لیے بڑی امی کے کہنے پر۔

”چلو نعمان اب تمہاری باری ہے بیٹھو بھائی
 کی گود میں۔“ ارشد نے کہا تو وہ فوراً کھلی سے
 بولا۔

”یہ کیا بے ہودگی ہے۔“
 ”یہ وہ ہی بے ہودگی ہے جو تم نے میری
 دھڑکی تھی۔“ یاسمین بھائی نے اطمینان سے کہا۔
 ”مگر میں گود میں تو نہیں بیٹھا تھا۔“ وہ کھور
 کے بولا۔

”گھٹنا پکڑا تھا اب یہی رسم نعمان اور
 راحیل انجام دیں گے چلو لڑکوں کو ایک ایک گھٹنا
 پکڑلو۔“ فہیم بیگم کا بھر پور ساتھ دے رہے
 تھے۔

”یہ راحیل کیوں نعمان اکیلا گھٹنا پکڑے
 نا۔“ آذین پھر بول بڑا جبکہ مبرا بالکل خاموش
 سر جھکائے بیٹھی تھی۔

”میرا پرس خالی کرنے کو تو تم نے خاندان
 بھر کے لڑکے جمع کر کے ہزار ہزار دلوائے تھے۔
 پورا پانچ ہزار گیا تھا اب تم بیل کر کے دو۔“
 یاسمین بھائی خوب بدلہ لے رہی تھی۔

”اور ویسے بھی یہ بیگ تو بھائی دیں گی اپنے
 ذاتی پرس سے آپ کا دل کیوں بیٹھا جا رہا ہے۔“
 نعمان نے چوٹ کی۔

”خبردار جو ادھر نگاہ کی یہ لو ہزار ہزار اور بھاگو۔“

آذین نے میرا کے پھولے پھولے پرس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ فاول ہے گھنڈہ بحث کے بعد ہزار کا نوٹ ہم نہیں لیتے۔“

”تو جاؤ کھاؤ محنت کا پیسہ ہے حرام نہیں آیا۔“ مشرہ نے بہنوئی کا خیال کر کے کہا۔

”یاں سونے کی انگوٹھی پانچ کے تم حمایت نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا۔“ راجیل جل کر بولا تو پھر سب ہنس دیے تھے۔ جبکہ نعمان بولا تھا۔

”چپ کرو یا رہائی دینے لگی ہیں۔“ اور میرا نے واقعی دونوں کو پانچ پانچ ہزار کا نوٹ پکڑا دیا۔

”نہیں بھئی یہ واپس کرو بہو کو تم دونوں یہ لو۔“ نسیم بیگم نے خود انہیں دو، دو ہزار میرا گھڑیاں دے کے میرا کے پیسے واپس پرس میں رکھے۔

”اب بس کرو روخصتی ہونے دو۔“ ارشاد عباس آکر بولے تو سب پیچھے ہٹے ہوئے انہیں راہ دینے لگے ارشد نے بڑے بھائی کا کردار ادا کرتے ہوئے میرا کو تمام کراٹھایا تھا اور والدین کی دعاؤں، محبتوں، قرآن پاک کے سائے تلے چلتی وہ عروسی گاڑی میں بیٹھی یہ گاڑی شہر کا ایک چکر لگاکے پھر عباس ہاؤس میں داخل ہوئی تو عین پہلے پورشن کے سامنے رک گئی۔ پھر وہی لوگ تھے جو میرا کو تمام کے آذین کے کمر تک لا رہے تھے۔

مگر ہلیز پر لا کے رک گئے کیونکہ ہاں سدرہ اور زہیرہ سعدیہ مشرہ سب کھڑی تھیں راستہ روکے۔

”یہ کیا ہے اب کیا رہ گیا ہے۔“ آذین پھر ہکا بکا ہوا۔

یہ مندوں کا بہنوں کا حق ہے جو تم دونوں میاں بیوی مشترکہ طور پر ادا کر دے۔“ یا سہین بھائی پھر ہنس پڑیں وہ فوراً بیک اٹھا اس اطلاع پر۔

”یہ کیا اول فول رسمیں ایجاد کی ہوئی ہیں آپ لوگوں نے۔“

”اپنی شادی سے پہلے تک تو تم ان رسموں کے سب سے بڑے حمایتی تھے۔“ نسیم بولے تو وہ بھڑک کے بولا۔

”آپ اپنے بدلے نہ لیں اور تم چاروں کس خوشی میں گروپ بنائے ہو ادھر سب سالیان بن کے لوٹ گئیں اور ادھ نندیں بن بیٹھیں بہت جمع کر لیا ہے چلو چٹائی کرو۔“ وہ چٹائی بھاگے بولا تو بڑی امی کو اپنے بیٹے پر پھر سے رحم آگیا۔

”یہ بانی کا کام بعد میں کر لینا انہیں اندر جانے دو۔“ مودی والا کھڑا کچھ رہا۔ اسے فارغ کر دو انہیں بھی آرام کرنے مارا دیا رہے ہیں۔“ اور وہ سب شرافت سے ہٹ کر انہیں اندر جانے کا راستہ دے گئیں۔

آذین پہنچ کرنے کے لیے ڈرینگ روم میں گیا تو وہ بیڈ کراؤن سے ٹپک لگا کے دیکھنے لگی پورا کمرہ دروازے سے لے کر بیڈ تک ان گنت گلاب کی پتیوں سے بھرا ہوا مسمری میں لگتی اصلی موسیٰ نمایاں ہی سامنے کی دیوار پر ان کے نکاح کی پوسٹر سائز تصاویر تھیں۔ آذین نے ڈرینگ روم کا دروازہ کھولا تو اس کے حواس بیدار سے ہو گئے تھے وہ یکدم پلکوں کی ریشمی جھار گرا کے سوئی بن گئی۔

آذین نے آستین فولد کرتے ہوئے لمحہ بھر کو دیکھا تھا اور دیکھا رہ گیا۔

وہ بے حد حسین تھی یا دہلتا ہے کاروب تھا کہ نگاہیں حسن کی آب و تاب سے خیرہ ہو رہی تھیں۔ وہ آہستہ رو سے چلا اس کے قریب آ بیٹھا جب سے ٹھکی کپکپ نکالتے ہوئے ڈائمنڈ لاکٹ سے

جھگاتی مولڈ کی چین نکالی اور اس کے گلے میں ڈالنے لگا۔ میرا کو سوتے رہنے کی ایکٹنگ ختم کر کے آنکھیں کھولن پڑیں۔

”یہ تمہارا رونمائی گفٹ ہے۔ امی نے دیا تھا تمہارا لیے۔“ وہ لاک لگا کے تنجیدگی سے بولا۔

”یہ گفٹ دے کے اور مجھے اس کمرے میں لاکے تم یہ مت سمجھنا کہ تم میرے دل پر قبضہ بجا چکے ہو۔ وجود پرسترس تو معمولی کام ہے یہ ہر کمزور ذہنیت اور نفس پرست کا انسان کر سکتا ہے مگر دل کی نفرت اور فاصلہ نہ ختم ہوں گے نہ تم کر سکو گے۔“ وہ سکتے لہجے میں بولی تو اک تاسف آمیز سانس خارج کر کے وہ کئی دیر اس دیکھتا رہا پھر اٹھ کر امرا اور ٹھہرے متوازن لہجے میں بولا تھا۔

”تم اپنی نفرتیں مضبوط رکھو فاصلے مزید بڑھاؤ مجھے جتنا برا سمجھ سکتی ہو مجھے۔“ مگر عائن لو کہ وہ غلط بھی جس کی بنیاد نے ہمارے درمیان عداوت کا پتھر رکھا اور انہیں سب کی نظروں میں ذلیل کر گئی دیر سے سہی مگر سعدیہ آپنی نے سب کو اصلیت سے باخبر کر دیا تھا اور تمہاری سچائی سب یہ ثابت ہو گئی تھی۔ سب بڑے تھے تم سے معافی نہیں مانگ سکتے تھے اپنے رویوں کی شفقت اور نرمی سے ہی وہ خجالت و شرمندگی مٹانا چاہتے تھے اور امی کا خیال تھا کہ اس سارے واقعے کا ذمہ دار چونکہ میں ہوں لہذا ازالہ بھی مجھے کرنا ہوگا اور سب سے بہتر طریقہ یہی تھا کہ تمہیں سب کی نگاہوں میں ہلکا کرنے والا ہی عزت و تحفظ کا حصار دے کے سب کے لیے معزز بنا دے اور میں نے اس فیصلے پر سرخ کر دیا صرف ازالہ کو نہیں بلکہ محبت کر پانے کے لیے جو مجھے بہت برسوں سے تم سے تھی اور پردیس میں جا کر بھی میرے احساس کو جکڑے رہی یوں کہ خود کو تمہارا سمجھ کر میں کسی اور اور سمت دیکھ نہیں پایا۔“ وہ چند سا

لحوں کو رکھا پھر بولا۔

”یہ محبت ہی تھی جو مجھے اس شے کے لیے تیار کر گئی اگر اس محبت کو تم زندگی بھر کراپنانے پر قادر نہیں تو کم از کم دوستوں والا رویہ رکھو وہ بھی نہیں تو بخوشی جا سکتی ہو دروازہ کھلا ہے۔“ وہ آگے بڑھتے ہوئے ہینڈل گھمانے لگا تو میرا جوا بنگ سکتے تھیر میں ڈوبی بنا پٹلیں جھپکائے سب سن رہی تھی تیزی سے بند سے اتری۔

”اگر آپ کا ہر لفظ سچا ہے تو مجھے یقین ہے یہ درازہ بندی رہنے دیں اس دروازے سے بہت سامان یقین اور امید ہے میرے والدین کی اور میں اسے قائم رکھوں گی آپ اپنی محبت کو میرے نصیب میں رکھیں تو یہ در خوشی سکھ اور چاہت کی اک لازوال مثال بنے گا۔“

اس کا حنائی ہاتھ آذین علی کے مضبوط مردانہ ہاتھ پر رکھا ہوا تھا۔ آذین نے کچھ لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بازو دراز کر کے اسے پہلو سے لگائے بند کی سمت بڑھا۔

”بہت حسین اور خوبصورت ہو تم اور مجھے ہر شے تمہارے حسن کی قیمت سے کم لگا تھا ویسے یہ چین قناری گردن سے لگ کے جگ اٹھی ہے۔“

”یہ بھی امی نے دی ہے آپ نے نہیں آپ کا گفٹ تو ادھا رہا ہے۔“ وہ دھیرے سے ہنس کر بولا۔

”گفٹ بھی مل جائے گا پہلے یہ تو بتاؤ اتنی شدید ناراضگی اور بے ایکدم سے مان لینا کیا واقعی میری محبت میرے جذبے اثر کر گئے۔“

”آپ کی محبت آپ کے جذبے تو ابھی دیکھتے ہیں اثر تو بڑی امی اور امی نے کیا تھا یہ بتا کے کہ وہ سب حقیقت سے واقف ہیں اور ان پر یہ میری سچائی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔“ وہ آرام سے بولی۔

”مطلب سب جانتی تھیں پھر یہ نفرت لڑائی

ہمارے بچہ مشتاق نامی لڑکے سے بہت جوار تھے۔ مشتاق کا کمال یہ تھا کہ اسے جو بھی مضمون لکھنے کو کہتے۔ اس میں کہیں نہ کہیں سے "میرا بہترین دوست" ضرورت کر دیتا تھا۔ کیونکہ یہ وہ واحد مضمون تھا جو اس کو فریاد تھا مثلاً اگر کہا جاتا کہ ریلوے اسٹیشن پر مضمون لکھو تو وہ کہہ یوں لکھتا کہ میں اور میرے ماں باپ بچوں کی ملیاں جانے کے لیے ریلوے اسٹیشن گئے۔ وہاں گاڑی کھڑی تھی اور گاڑی میں میرا بہترین دوست زاہد حسین بیٹھا تھا۔ زاہد حسین میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بہن بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکمہ پولیس میں آفیسر ہے۔ زاہد حسین بہت اچھا لڑکا ہے۔

اگر اسے "میرا استاد" مضمون لکھنے کو کہتے تو وہ لکھتا کہ ماسٹر افتخار میرے پسندیدہ استاد ہیں۔ ایک روز میں ان کے گھر گیا۔ وہاں میرا بہترین دوست زاہد حسین بیٹھا تھا۔ زاہد حسین میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بہن بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکمہ پولیس میں آفیسر ہے۔ زاہد حسین بہت اچھا لڑکا ہے۔

ظاہر ہے جب کرکٹ کچا یا بچک کی باری آتی تو وہاں بھی زاہد حسین موجود ہوتا۔ ٹک آ کر ماسٹر صاحب نے کہا کہ دیکھو یہ تو بڑی ٹپس سکا کہ ہر جگہ تمہارا دوست زاہد حسین موجود ہو۔ آج تم ہوائی جہاز پر مضمون لکھو اور یاد رکھو کہ ہوائی جہاز میں زاہد حسین موجود نہیں ہے۔

دوسرے دن مشتاق نے جو مضمون لکھا وہ کچھ اس طرح سے تھا۔ "میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ایئر پورٹ گیا۔ وہاں جہاز کھڑا تھا۔ جہاز کے در پر تھے اس میں ہم بیٹھ گئے۔ جہاز میں زاہد حسین نہیں تھا مگر جہاز اڑنے لگا۔ میں نے کھڑکی سے نیچے جھانکا تو زمین پر میرا بہترین دوست زاہد حسین جا رہا تھا۔ زاہد حسین میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بہن بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکمہ پولیس میں آفیسر ہے۔ زاہد حسین بہت اچھا لڑکا ہے۔"

ماسٹر صاحب نے مضمون پڑھ کر مولا علی اٹھایا اور مشتاق غریب کا جلوس نکال دیا۔

(کتاب "گزرا وہ نہیں ہوتا" سے اقتباس)

بھاری یہ ساری ڈرامہ بازی تھی محض ستانے جلانے کو۔" وہ حقیقتاً حیرت میں آ گیا۔

"تو آپ نے کوئی کم جلا یا تھا مجھے بدلہ تو میں نے بھی تھوڑا لیا کہ ترس آ گیا جلدی۔"

"بہت چالاک ہو تم سیدھا کرنا پڑے گا۔"

وہ مصنوعی غصہ سے بولا۔

"وہی سب نے میرا ساتھ خوب دیا ڈاسے میں جیسے آپ کا ساتھ دیا ہے۔" میرا ہنسنے ہوئے بولی۔

"سب کو تو میں اب صبح پوچھوں گا پہلے تم آؤ اور۔" آذین نے اسے کھینچا۔

"اونہوں ایسے نہیں میرا گفٹ تو دے دیں۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"گفٹ ہی تو دینے لگا ہوں تم نزدیک تو آؤ، اب اتنی دوری سے کیا دوں۔" آذین کا انداز معنی خیز تھا جیسے مجھے بغیر وہ بڑے اشتیاق سے اس بالکل قریب آ کے بولی۔

"اے میں دین گفٹ۔"

اور آذین نے اس ہاتھوں میں بھرتے ہوئے گفٹ میں لیا تو وہ کسمسا کے بولی یہ کیا مذاق ہے گفٹ دیں سیدھے طریقے سے۔

"گفٹ ہی دینے لگا ہوں تم آرام سے لو تو سہی۔"

وہ اس کے شکر فری ہونوں کے چوتھے ہوئے بولا تو اس نے گھورتا جا یا مگر آذین علی کی پرشوق محبتوں، شدتوں اور شوق جہازوں نے بے ساختہ لگا لیں جھکانے یہ مجبور کر دیا۔

"بولو میری چاہتوں اور بھری محبتوں کے تحفے قبول کرو گی۔"

صدقوں اور اربانوں سے بھرا نرم لہجہ اس کے چہرے پر حیا آمیز تبسم کے گلاب بکھر گیا۔ قبول ہے اس کا مدد لہجہ ابھرا پھر وہ فوراً آذین علی کے سینے میں منہ چھپائی اور گزرتی رات اس کا دامن چاند ستاروں جھنوکوں سے بھر نہ لگی۔

"اب تو پی لیا۔ قیمت ادا کرتی پڑے گی ویسے بھی یہ دودھ تو قسمت والوں والوں کو ملتا ہے یہاں اسے لڑکے موجود ہیں کسی اور کو ملا۔" فہیم نے لقمہ دیا۔

"بھائی بیگم کی حمایت کو آپ بھی لوٹا پارٹی میں مل گئے۔" سدرہ کو دیکھ کر وہ از حد صدمے سے بولا تو سب ہنس پڑے۔

"چلو بھئی جلدی کرو لڑکیوں کو فارغ، یہ کام بچے کا تم تم رہن کے حقدار ہو گے۔" یا سمین بھائی پھر بولیں تو اسے مجبور ہزار ہزار نکال کے سدرہ اور زبیرہ کو دینے پڑے جو انہوں نے قدرے قائل سے قہام لیے بڑی امی کے کہنے پر۔

"چلو نعمان اب تمہاری باری ہے بیٹھو بھائی کی گود میں۔" ارشد نے کہا تو وہ فوراً کھلی سے بولا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔"

"یہ وہ کی بے ہودگی ہے جو تم نے میری دھڑکی تھی۔" یا سمین بھائی نے اطمینان سے کہا۔

"مگر میں گود میں تو نہیں بیٹھا تھا۔" وہ گھور کے بولا۔

"گھٹنا پکڑا تھا اب یہی رسم نعمان اور راجیل انجام دیں گے چلو لڑکوں کو ایک ایک گھٹنا پکڑ لو۔" فہیم بیگم کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔

"یہ راجیل کیوں نعمان اکیلا گھٹنا پکڑے نا۔" آذین پھر بول بڑا جبکہ میرا بالکل خاموش سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"میرا پریش خالی کرنے کو تو تم نے خاندان بھر کے لڑکے جمع کر کے ہزار ہزار دلوائے تھے۔ پورا پانچ ہزار گیا تھا اب تم ڈبل کر کے دو۔"

یا سمین بھائی خوب بدلہ لے رہی تھی۔

"اور ویسے بھی یہ بیگم تو بھائی دیں گی اپنے ذاتی پرس سے آپ کا دل کیوں بیٹھا جا رہا ہے۔" نعمان نے چوٹ کی۔

"میرا جو اختلاف ہے اسے بھلا کے دیکھنا میرا بھائی بہت محبت کرنے والا پر خلوص اور اچھا ہم سفر ثابت ہو گا وہ تم سے شدید محبت کرتا ہے تم سے پہلے اس نے کس کے لیے سوچا تک نہیں اس کے سارے جذبے خالص سچے اور صرف تم سے وابستہ ہیں اس کو خوش رکھنے اور خود خوش رہنے کی کوشش کرتا میری دعا ہے اللہ تم دونوں کو ہر دولت سکون اور نعمت، خوشی سے نوازے اور تم لوگ ایک خوشیوں مرادوں بھری زندگی بسر کرو۔" شرہ تم لگا ہیں لیے پٹی تو اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"اونہوں ابھی تمہاری اور تصویریں اور مووی بننا ہے میک اپ خراب نہ کرو۔" آذین نے ٹوکا تو اسے ہمراہ کھڑے خوب رہے پچھلے سے شخص کو دیکھ کر اس کے احساسات میں اک سنگتی کیفیت ابھر آئی۔

"گزنز اور بہنوں کی چھیڑ چھاڑ مذاق اور دودھ پلائی کے دوران بحث کو اعتماد سے جھیلنا بہت خوش تھا وہ۔"

سدرہ اور بشرہ کو بیگم کی انگوٹھی پہنانا کے تیسرا ہاتھ آگے ہوا تو اس نے چونک کے دیکھا وہ سدرہ تھی۔

"ارے تم کہاں بھی تمہارا یہاں کہاں کام بننا ہے ویسے بھی تم تو دلہا کی بہن ہو۔" آذین فوراً بولا۔

"جی نہیں اب میں میرا آپنی کی تالیازاد بہن کے طور پر دودھ پلائی کی رسم میں شریک ہوں تو یہ حق تو آپ کو دینا پڑے گا۔" سدرہ نے کہا۔

"اور ابھی تو زبیرہ بھی ہے اسے بھی فارغ کرنا ہے۔" یا سمین بھائی ہنستے ہوئے بولیں اودھ فوراً ہاتھ بچ کر جیب پر رکھ گیا۔

"نہیں بھئی ایک گلاس دودھ کے بدلے اتنی زیادتی اتنا مہنگا دودھ ہے تو پہلے بتاتے میں ہرگز نہ پیتا۔"